غازی علم الدین شہیدؒ
Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com
ظفر اقبال نگینہ

ظفر اقبال نگینہ

ختم نبوت ﷺ زندہ باد

عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

ظفر اقبال نگینہ نے ہماری تاریخ کے عظیم الشان
باب پر قلم اٹھاتے وقت روایتی داستانوں اور سنی سنائی
باتوں پر سو فیصد انحصار کرنے کی بجائے تحقیق کی راہ اختیار
کی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہندوؤں اور انگریزوں کی
اسلام اور اسلامیانِ برِصغیر کے خلاف سازشوں کے کئی
رازہائے سربستہ بے نقاب ہوئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے
کہ ظفر اقبال نگینہ تاریخ اور جغرافیے کو اپنے ملک کی
عظمت کے حوالے سے پڑھنے اور جانچنے کے عادی ہیں
تو یہ بات قرینِ انصاف ہوگی۔ معزز مصنف نے
دستاویزات، واقعاتی شہادتوں کی تفصیلات کا جو نادر خزانہ
دریافت کیا ہے۔ وہ ان کی تصنیف کو دوچند کرے گا۔

سردار سکندر حیات خان
(وزیر اعظم آزاد ریاست جموں و کشمیر)

ظفر اقبال نگینہ میں تجسس اور تگ و دو کی رُوح
کروٹیں لیتی رہتی ہے۔ ان کے والد اور دادا مرحوم نہ صرف
صحافی تھے بلکہ ریاست جموں و کشمیر کے ڈوگرہ حکمرانوں
کے خلاف حق گوئی و بے باکی کے جرم میں ریاست بدر
بھی ہوتے رہے۔ اس تاریخی پس منظر میں معزز مصنف
کی تحریروں کو لا کر سوچیں تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ جس راستے
پر گامزن ہیں وہ قدرت نے ان کے لئے ہموار کیا ہے۔

مسٹر جسٹس مجید ملک
(آزاد کشمیر سپریم کورٹ)

اشاعت اول — مئی ۱۹۸۸ء
تعداد — ایک ہزار
سرورق — سلیم اختر
قیمت — ۷۰ روپے
طابع — میر شکیل الرحمان
مطبع — جنگ پبلشرز پریس
۱۳۔ سر آغا خان روڈ، لاہور

جنگ پبلشرز

پیش لفظ

"جنگ میگزین" میں جب غازی علم الدین شہیدؒ کی رُوداد حیات سلسلے وار شائع ہوئی تو جی نے تجویز کیا کہ اس سلسلہ کو کتابی شکل میں لاؤں لیکن میرے حالات اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ بڑے بڑے پبلشنگ اداروں سے رابطہ کیا لیکن ہر جانب سے اِنکار اور معذرت کو کسی نہ کسی حسین جواز میں لپیٹ کر ایسے اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا کہ میں مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ لیکن یہ عشقِ رسولؐ ہی تھا جو مجھے اس گہرائی سے نکال لانے میں کامیاب ہوا اور میں نے اس عشق کے طفیل ہمت کا دامن تھامے رکھا اور اس کی اشاعت کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ یہ میری ہمت اور رسولِ عربیؐ کے عشق کا ثمر تھا کہ اس جہانِ رنگ وبُو میں مجھے کچھ ایسے لوگ مل گئے جن کے دلوں میں عشقِ رسولؐ موجزن تھا۔ جو اپنے دل کی دھڑکن کو جہاں اللہ کی امانت سمجھتے ہیں، وہاں بندگانِ خدا سے پیار و شفقت سے پیش بھی آتے ہیں اور یوں وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جس کی وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی بے لوث، مخلص اور جذبۂ ایمانی سے سرشار محسنوں کے تعاون ہی سے میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکا، کہ آج غازی علم الدین شہیدؒ کی داستانِ حیات کتابی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

غازی علم الدین شہیدؒ کی داستانِ حیات مرتب کرتے وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے اس سعادت سے بھی نوازا کہ جن دنوں مَیں غازی صاحب کے تختۂ دار تک پہنچنے کی رُوداد قلمبند کر رہا تھا' ان دنوں ایک صبح سحری کے وقت مَیں نے خواب دیکھا کہ کمرۂ عدالت میں غازی صاحب کا کیس زیرِ سماعت ہے۔ غازی صاحب کٹہرے میں کھڑے ہیں اور مَیں رپورٹر کی حیثیت سے کمرۂ عدالت میں موجود ہُوں۔

غازی علم الدین شہیدؒ سے متعلقہ معلومات ان کے عزیز و اقارب' دوست واحباب' اخبارات' جرائد اور کُتب سے بھی لی گئی ہیں' خصوصاً رائے کمال صاحب اور منشی عزیز الدین مرحوم کی کُتب اور روز نامہ "زمیندار" میں چھپنے والی رپورٹنگ کے بعض حصے مِن وعَن شامل کئے گئے ہیں' اس کا مقصود محض ریکارڈ کو محفوظ اور یکجا کرنا ہے۔

غازی علم الدین شہیدؒ کی داستانِ حیات کی غرض تالیف یہ ہے کہ:

- ○ .... وہ لوگ جو شانِ رسولؐ سے لاعلم ہیں وہ جان سکیں کہ شانِ رسولؐ کیا ہے؟
- ○ .... عاشقِ رسولؐ کے عزم' حوصلے اور بہادری کو جان سکیں۔
- ○ .... دشمنِ دین و وطن جان سکیں کہ شمعِ رسالتؐ کے پروانے دار و رسن تک پہنچنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔
- ○ .... اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں گستاخی کے مرتکب لوگوں کو آئینہ دکھانا کہ مسلمانوں کو نشتر چبھو چبھو کر رحم کی توقع رکھنا عبث ہے۔
- ○ .... اس نیک کام سے مجھے اور میرے محسنوں کے علاوہ اُن حضرات کو کہ جن کے جنبشِ قلم نے میری معاونت فرمائی' کو ثواب حاصل ہو۔
- ○ .... آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو۔
- ○ .... دشمنِ دین آئندہ ایسی مذموم حرکتوں سے باز رہیں۔

علاوہ ازیں اس کے طفیل مجھے' پڑھنے اور سُننے والوں کو ثواب حاصل ہو۔

ظفر اقبال نگینہ

داستانِ حیات

مسلمان کی سب سے گراں مایہ متاعِ حیات محبتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے اور جس شخص کا دامن اس متاع سے خالی ہے اس کا دعویٰ اسلام وایمان ادعائے بے دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مومن وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنی جان سے اپنے مال سے اپنی اولاد سے اور اپنے والدین سے عزیز سمجھتا ہو۔

چودھویں صدی کے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حالات کو کتابی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون تھے؟ ان کی اتنی شہرت کیوں ہوئی؟ انھوں نے اتنا نام کیوں پایا؟ وہ اتنے محبوب کیوں بنے؟

فی الحقیقت انہیں یہ ترب لا تو محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کے جذبہ عشقِ صادق سے

وہ عشق جس نے ناتواں کو زورِ حیدری دیا
وہ عشق جس نے بے نوا کو تاجِ قیصری دیا

میاں علم الدین کے والد طالع مند غریب آدمی تھے۔ شرافت انہیں ورثے میں ملی تھی۔ ان کی برادری کا پیشہ "نجار" تھا کچھ لوگ محلّہ سرفروشاں میں رہتے تھے اور کچھ خرادی محلّہ میں............ ان کے اجداد میں لہنا سنگھ............ بعہد شہنشاہ جہانگیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن کا مزار موضع پڈانہ برکی ہڈیارہ بارڈر کے قریب بابا لہنو کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اب بھی ہزاروں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں۔ بابا کے ایک بیٹے کی اولاد بھی وہیں تھی۔ دوسرے بیٹے برخوردار سے والد شہید یوں ملتے ہیں۔

طالع مند ولد عبدالرحیم ولد جوایا برخوردار ولد عبداللہ ولد عیسےٰ ولد برخوردار............ اور یوں علم الدین سات پُشت کے واسطہ سے بابائے نومسلم سے ملتے ہیں۔

حکومت کی عدالتیں اپنے اصول وقواعد کے مطابق انسانوں کے جُرم وبے جُرمی کے فیصلے کر سکتی ہیں۔ اپنے اصول وقواعد کے مطابق لوگوں کو پھانسیاں دے سکتی ہیں اور ان کے حیَ و زندہ جسموں کو لمحوں اور منٹوں میں عام مسلّمات کے مطابق بے جان بنا سکتی ہیں مگر اُس زندگی پر انہیں کیا دسترس حاصل ہے جس کا ایک منظر چوبرجی کے میدان میں رونما ہوا۔

علم الدین شہید عالمِ دین نہ تھے کوئی مشہور یا غیر مشہور صوفی و متقی نہ تھے۔ کسی گروہ یا جماعت کے قائد نہ تھے مگر ان کی شہادت نے اور حُرمتِ رسولؐ پاک پر ان کی زندہ گواہی نے انہیں وہ بلند مقام عطا کیا جو ہزاروں اتقیاء ' ہزاروں سلاطین اور ہزاروں علماء کو بھی نصیب نہیں ہوا جن کے آوازۂ شہرت میں ایک دنیا بہتی تھی۔

یہ ہے مقامِ شہادت .... یہ ہے منصبِ بلند

چودھویں صدی کے عاشق رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی کے حالات جاننے کے لئے آپ کو ان کے آبائی مکان لئے چلتا ہوں۔

لاہور کا ریلوے اسٹیشن ہو یا بادامی باغ.......... بھاٹی چوک ہو یا لکشمی چوک.......... آپ تانگہ ' رکشا یا ویگن پر سوار ہو جایئے شاہ عالمی سے ہوتے ہوئے رنگ محل کے ویگن ' تانگہ رکشا شاپ پر اُتر جایئے اُسی سمت چلتے جائیں۔ .... لیجئے برتنوں والا بازار آ گیا.......... اِسی بازار کے اندر دائیں طرف پہلی بازار نما گلی میں مُڑتے ہی چند قدم پر ہی بائیں طرف ہو جایئے اور پھر ناک کی سیدھ چلتے جائیں.......... اس جانب سریاں والا بازار ہے۔ جس کا فارسی نام بازار سر فروشاں ہے۔

۱۹۲۹ء سے پہلے تو یہ بازار بھیڑ بکریوں کی سرفروشی کی وجہ سے مشہور تھا مگر اب علم الدین کی سرفروشی نے اسے انسانوں کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ بازار شرقاً غرباً ہے اور اگر آپ دہلی دروازہ کی طرف سے سیدھے چلے آئیں تو نواب وزیر خان مرحوم کی مسجد جو شہنشاہ شاہ جہاں کے عہد میں ۱۰۴۴ھ میں بنی تھی ' کی قبلہ کی سمت سیدھے چلے جایئے۔ کشمیری بازار کے شروع ہی میں بائیں طرف ایک بازار ملے گا جسے بازار تزابیاں کہتے ہیں اس میں چلتے چلتے سریاں والا بازار آئے گا۔ اس کے مشرقی کنارے پر ایک کوچہ تکیہ سادھواں کی طرف نکلتا ہے۔ مسجد سادھواں کے مغرب کی طرف گنج شہیداں ہے۔ مسجد میں پیر غفار شاہ صاحب ' مرحوم و مغفور کا مزار قابلِ زیارت ہے۔ بازار سر فروشاں کے مغربی کنارے پر شمالی جانب شہید موصوف کے مکان کے سامنے جنوب کی طرف وہ مکان ہے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔

بائیں طرف گلی کے اندر سامنے ہی علم الدین کا مکان ہے یہ کوچہ چابک سواراں کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہی وہ مکان ہے جس میں وہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء تک رہے اور پھر بجرم عشقِ رسولؐ گرفتار

ہوئے اور شہادت پا کر اس گھر کا کیا محلّہ کا نہیں بلکہ شہر بھر کا نام روشن کر گئے۔

طالع مند ایک تجربہ کار نجار تھے اس لئے محلے کے لوگ بھی دوسرے نجاروں پر انہیں ترجیح دیتے تھے اور اسی دیانت داری کے باعث ان کی مالی پوزیشن بھی پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ ان کے بزرگوں نے بھی جب محسوس کیا کہ طالع منداب اس قابل ہو گئے ہیں کہ گزر اوقات باآسانی کر سکتے ہیں تو انہوں نے طالع مند کا گھر آباد کرنے کے لئے اپنی برادری کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ پہلے پہل تو انہیں خبر نہ ہوئی .... لیکن یہ باتیں بھلا چھپی کہاں رہ سکتی ہیں۔ سرگوشیاں اور سرگرمیاں بلند و تیز ہوئیں تو وہ بھی جان گئے .... اور پھر ایسا ہونے لگا کہ جب بھی گھر میں ان کا گھر آباد کرنے کا ذکر چلتا تو وہ چپکے سے اس محفل سے غائب ہو جاتے اور بالآخر گھر والوں کی کوششیں رنگ لائیں اور اپنے ہی عزیزوں میں ان کا رشتہ طے پا گیا۔ سبھی خوش تھے۔ طالع مند بھی خوش تھے۔

۱۹۰۵ء میں طالع مند رشتہ ازدواج سے منسلک ہو گئے۔ شادی کے ایک سال بعد ہی اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں چاند سے بیٹے سے نوازا' جس کا نام انہوں نے محمد دین رکھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے کام میں مگن ہو گئے۔ وہ جب بھی کام سے واپس آتے تھے ننھے محمد دین کے لئے کچھ نہ کچھ لے آتے۔ گھر کے سبھی افراد بھی اس نئے مہمان کی آمد سے خوش تھے۔ دن یونہی ہنسی خوشی گزرتے گئے محمد دین کو اپنی والدہ سے اس قدر پیار تھا کہ وہ طالع مند کی خواہش کے باوجود ان کے پاس نہیں جایا کرتے تھے۔

اور پھر اللہ نے ان پر اپنا فضل کیا اور وہ دو بچوں کے باپ بن گئے، ۴ دسمبر ۱۹۰۸ء کو طالع مند حسب معمول اپنے کام پر جانے لگے تو انہیں بتایا گیا کہ محمد دین کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو وہ کام پر نہ گئے .... ایک کمرے میں جا بیٹھے اور کسی خوش خبری کے سننے کے منتظر تھے۔ وہ گھڑی آ گئی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک اور بیٹے کے باپ بن گئے ہیں تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اس وقت ان کے عزیز و اقارب بھی وہاں موجود تھے۔ طالع مند دوڑے دوڑے بازار گئے اور حسب استطاعت سب کا منہ میٹھا کرایا۔ اللہ نے انہیں چاند سے بیٹے سے نوازا تھا۔ اس روز اسے دیکھنے کی حسرت ان کے دل میں ہی رہی۔ دوسرے روز جب عزیز و اقارب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو انہیں بھی نئے مہمان کو دیکھنے کا موقع مل ہی گیا وہ اسے اپنی بانہوں میں لے کر چومنے لگے۔ ننھا محمد دین بھی اس وقت ان کے قریب ہی تھا۔ .... چند روز تو وہ اپنے کام پر نہ جا سکے اور حالات پھر سے اپنے معمول پر آ گئے اس نئے مہمان کا نام انہوں نے علم دین رکھا۔

یہ اسی سال کا آخیر تھا۔ جس میں مرزا قادیانی فوت ہوا۔ مدینہ منورّہ میں حجاز ریلوے کا اجراء ہوا۔ افغانستان میں بادشاہ حبیب اللہ نے سلسلہ تعلیم جاری کیا' غازی سلطان عبدالمجید نے ترکوں کو پارلیمنٹری حکومت عطا کی۔ مراکش میں فرانسیسیوں کو نیچا دیکھنا پڑا۔ تلک کی گرفتاری عمل میں آئی اور بنگالیوں نے بم

بازی سے نقصان جان کرنے اور دہشت پھیلانے کی ابتداء کی تھی۔ طالعٔ مند کے ہاں ایک بچی نے بھی جنم لیا۔ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن کو بھی اپنے بھائیوں جیسا ہی پیار ملا۔ بچے ذرا سیانے ہوئے تو محمد دین کو انہوں نے اپنے محلّہ میں ہی ایک سکول میں داخل کرا دیا۔

علم الدین ابھی ماں کی گود میں ہی تھے کہ ایک روز ان کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور صدا لگائی......... ان کی والدہ انہیں اٹھائے اس سوالی کو حسبِ استطاعت کچھ دینے کے لئے گئیں اور جب اس فقیر نے معصوم علم الدین کو دیکھا تو ان کی والدہ سے کہا کہ تیرا بیٹا بڑے نصیب والا ہے۔ اللہ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور علم الدین کو چومنے لگیں تو اس فقیر نے ہدایت کی کہ بیٹا اس کو سبز کپڑے پہنایا کرو......... اتنا کہہ کر وہ فقیر چلا گیا اور جب شام کو طالع مند گھر واپس لوٹے تو انہوں نے اس فقیر کی بابت انہیں بتایا......... اس وقت علم الدین ان کی گود میں تھے۔ وہ بار بار انہیں چوم رہے تھے اس وقت تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اگلے روز جب کام سے واپس آئے تو علم الدین کے لئے جو کپڑے خرید لائے وہ سبز ہی تھے۔ ان کی والدہ نے کُرتہ سی کر پہنایا تو سب عزیز و اقارب نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک فقیر نے کہا ہے اس لئے ایسا کیا ہے۔

علم الدین جب ذرا سیانے ہوئے تو طالعٔ مند نے انہیں محلّہ کی مسجد میں داخل کرا دیا۔ وہ کچھ عرصہ وہاں پڑھتے رہے اور پھر انہیں بازار نوہریاں اندرون اکبری دروازہ میں بابا کالو کے پاس پڑھنے کو بٹھایا......... لیکن وہ وہاں بھی نہ پڑھ سکے۔ جب کہ محمد دین کا سلسلہ تعلیم جاری رہا۔ دونوں بھائی عادات و اطوار میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

طالعٔ مند گاہے بگاہے انبالہ، کوہاٹ اور دوسرے دُور دراز مقامات پر بھی جا کر کام کیا کرتے تھے۔ وہ کچھ عرصہ دہلی میں رہے اس دوران انہوں نے حضور نظام کی کوٹھی پر بھی کام کیا۔ جس پر حضور نظام نے انہیں حُسن کارکردگی پر سند بھی دی۔ وہ اکثر علم الدین کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

دوسری طرف محمد دین اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ طالعٔ مند کی خواہش تھی کہ محمد دین پڑھ کر کوئی ملازمت اختیار کر لیں یُوں ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ اور محمد دین ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ وہ بہت ذہین اور ہوشیار تھے۔ تمام اہلِ خانہ اور عزیز و اقارب اُن کی عزت کرتے تھے دونوں بھائیوں میں اس قدر پیار تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

چند روز بعد ہی طالعٔ مند اور علم الدین شہید طے شدہ پروگرام کے مطابق سیالکوٹ روانہ ہوئے اور جاتے ہوئے محمد دین کو خاص ہدایات بھی کرتے گئے۔ محمد دین اسٹیشن تک ان کے ہمراہ آئے اور انہیں وہاں سے رُخصت کیا۔ علم الدین کی عدم موجودگی کو محمد دین شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ جس روز وہ ان سے الوداع ہوئے تھے اُسی روز ہی محمد دین نے انہیں خواب میں دیکھا۔ چند روز بعد ہی طالعٔ مند کا خط بھی

آگیا۔ یوں انہیں کچھ حوصلہ ہوا۔ اسی روز محمد دین نے انہیں خط کا جواب دیا اور علم الدین کا خاص خیال رکھنے کا بھی کہا۔

انہیں گئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ ایک رات محمد دین نے ایسا بھیانک خواب دیکھا کہ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ اہلِ خانہ ان کے گرد جمع ہوگئے تو انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ علم الدین کام کرتے کرتے سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہوگیا ہے۔ سبھی پریشان ہوگئے۔ کسی نے خط لکھ کر خیریت معلوم کرنے کا مشورہ دیا اور کسی نے خواب خیال قرار دیتے ہوئے حوصلہ کرنے کی تلقین کی۔ لیکن محمد دین نے بالآخر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ وہ آج ہی سیالکوٹ جائیں گے اور اُن کی خیریت معلوم کرکے ہی واپس آئیں گے اور پھر انہوں نے والدہ کو بھی منالیا۔

محمد دین بعد دوپہر سیالکوٹ پہنچے‘ ان کے پاس وہ پتہ محفوظ تھا جو کچھ عرصہ قبل طالعٔ مند نے انہیں ایک خط میں لکھا تھا۔ وہ ایک تانگہ پر سوار ہوکر اُس محلّہ میں جا پہنچے...... کچھ دیر وہ یونہی گلیوں میں اختر مرزا کا مکان تلاش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوئے اور پھر انہوں نے ایک دکاندار سے اختر مرزا کے بارہ میں دریافت کیا تو اس نے ایک نوعمر لڑکے کو بلا کر اختر مرزا کے گھر تک انہیں پہنچانے کا کہا۔ آپ اس کے ساتھ ہولئے۔ ڈاک خانے کی مشرقی جانب دوسری گلی کے اندر داخل ہوتے ہی اس لڑکے نے دُور سے ہی اختر مرزا کے مکان کی نشاندہی کردی تھی۔ محمد دین نے اسے واپس بھیج دیا اور خود تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے اُس طرف کو چل دیئے۔

دروازے پر دستک دی تو ایک بزرگ باہر آئے۔ محمد دین نے طالعٔ منداور علم الدین کی بابت دریافت کیا۔ تو انہوں نے جواب دینے کی بجائے سوال داغ دیا۔

بیٹے کہاں سے آئے ہو تم؟

جی...... میں لاہور سے آیا ہوں...... علم الدین کا بھائی ہوں۔

اچھا...... اچھا...... تو تم طالعٔ مند کے بیٹے ہو۔ آؤ آؤ اندر آجاؤ بیٹے...... وہ بزرگ اُلٹے قدموں پیچھے ہٹے تو محمد دین آگے کو بڑھے۔

خیر تو ہے کیسے آنا ہوا؟

بس یونہی ملنے آیا تھا۔ محمد دین نے اُن کے دریافت کرنے پر جواب دیا۔ صحن میں پڑی ایک چارپائی پر محمد دین بیٹھے تو وہ بزرگ ایک کمرے میں داخل ہوگئے۔

اچھا ہوا وقت پر پہنچ گیا...... ایک خیال سا ان کے دل میں آیا۔ ان کی متلاشی نگاہیں چاروں اطراف گھوم رہی تھیں۔

یہ علم الدین کہاں ہو گا؟ اگر یہاں کوئی کام ہوتا تو وہ یہیں کہیں ہوتا ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ابھی سوچوں میں گم تھے کہ وہ بزرگ واپس آ گئے۔

اپنا کام تو بند پڑا ہے۔ طالع مند اب یہاں کام نہیں کرتے۔ اسی محلّہ میں ہی ایک جاننے والے ہیں ان کے ہاں آج کل رہتے ہیں اور وہیں کہیں کام بھی کرتے ہیں۔

وہ خیریت سے تو ہیں؟ ان کے بتانے پر آپ نے دریافت کیا۔

ہاں......ہاں ٹھیک ہیں۔ لیکن تم اتنے پریشان کیوں ہو بیٹا؟

نہیں ایسی کوئی بات نہیں......بہت دن ہوئے انہوں نے خط بھی نہیں لکھا تھا اور میں......!

طالع مند کچھ دن بیمار رہا ہے۔ اب ٹھیک ہے۔ انہوں نے محمد دین کی بات کاٹتے ہوئے جب طالع مند کا ذکر کیا تو وہ اور پریشان ہو گئے۔

شام ہونے کو ہے آپ مجھے وہاں چھوڑ آئیے گا۔ محمد دین نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

بیٹھو بیٹا' ابھی چلتے ہیں......گھبراؤ نہیں......یہ اپنا گھر ہی سمجھو! کچھ کھا پی لو......پھر چلتے ہیں!

مہربانی جناب......میرا کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا......انہوں نے جواب دیا ہی تھا کہ اتنے میں ایک جوان ان کے کھانے کے لئے کچھ لے آیا۔

ان کے بارہا انکار کے باوجود اصرار بڑھا تو مجبوراً دو چار نوالے زہر مار کرنا ہی پڑے۔ اس دوران محمد دین نے ان سے پُوچھ ہی لیا۔

اختر مرزا آپ ہی ہیں؟

نہیں بیٹے وہ میرے بھائی تھے......میرا نام جاوید مرزا ہے۔ ہم تین بھائی تھے۔ مجھ سے چھوٹا اسلم تھا......اور پھر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بتایا کہ چند دن قبل شدید علالت کے باعث وہ ہم سے جدا ہوئے اور خالق حقیقی سے جا ملے......اپنے بھائی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

اوہ......میں تو خواہ مخواہ اپنا دُکھڑا لے بیٹھا......آؤ چلیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اُٹھے اور دروازے کی طرف بڑھے۔ محمد دین بھی کوئی بات کئے بنا ہی ان کے ساتھ ہو لئے۔ گندے نالے کے سامنے والی گلی سے ہوتے ہوئے وہ ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوئے اور دائیں طرف کے تیسرے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کچھ ہی دیر بعد جب دروازہ کُھلا تو سامنے طالع مند کھڑے انہیں نظر آئے۔ تاریکی کی وجہ سے طالع مند انہیں پہچان نہ سکے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ دیکھتے' محمد دین بے اختیار ان سے لپٹ گئے۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ ان سے بغلگیر ہونے والا کوئی اور نہیں......ان کا اپنا ہی خون ہے۔ محمد دین کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر جاوید مرزا کی طرف بڑھے......بڑی اپنائیت سے ملے......حال احوال دریافت کیا۔ اور پھر انہیں اندر آنے کو کہا۔

نہیں طالعٔ مند..... میں اب چلتا ہوں..... گھر کسی کو بتا کر بھی نہیں آیا۔ تم سناؤ..... ٹھیک تو ہو اب؟

اللہ کا فضل ہے جی! مرزا صاحب کیسے ہیں؟ طالعٔ مند نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک ہیں..... کل سے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ صبح واپس آجائیں گے۔ اچھا اب اجازت دو..... میں چلتا ہوں۔ پھر ملیں گے۔ خدا حافظ اور اس کے ساتھ ہی وہ واپس چلے گئے۔

طالعٔ مند نے دروازہ بند کیا اور محمد دین کو لئے اندر چلے گئے۔ سامنے ہی چارپائی پر علم الدین بیٹھے تھے۔ دیئے کی ٹمٹماتی روشنی میں جب انہوں نے محمد دین کو اپنے سامنے دیکھا تو اُچھل پڑے۔ شدّتِ جذبات سے وہ ان سے لپٹ گئے۔ ایک عرصہ بعد دونوں بھائی ملے تھے۔ نجانے کتنی دیر وہ ایک دوسرے سے بغلگیر رہتے کہ طالعٔ مند نے محمد دین کو بیٹھ جانے کا کہا' تو وہ الگ ہوئے۔

علم الدین کے ہاتھ پر بندھی پٹی دیکھ کر انہوں نے پوچھا تو طالعٔ مند نے انہیں بتایا کہ گذشتہ روز کام کے دوران تیشہ لگنے کی وجہ سے ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔

زخم زیادہ گہرے تو نہیں؟ انہوں نے دریافت کیا۔

نہیں..... اللہ نے بچالیا ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں..... جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ طالعٔ مند نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تو وہ بھی مطمئن ہو گئے۔

اور پھر باتوں کا ایسا سلسلہ چلا کہ رات وہ یونہی بیٹھے رہے۔ محمد دین نے انہیں خواب بھی سنایا۔ والدہ کی پریشانی کا ذکر بھی کیا تو طالعٔ مند نے کہا کہ چند روز تک کام ختم ہو جائے گا۔ ہم واپس آجائیں گے۔

اگلے روز بعد دوپہر تک محمد دین وہاں رہے اور پھر لاہور واپس چلے گئے۔ اپنی والدہ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ تو وہ بھی مطمئن ہو گئیں۔

اُدھر طالعٔ مند پھر سے اپنے کام پر جا رہے تھے۔ لیکن علم الدین ابھی تک ایسی پوزیشن میں نہ تھے کہ کوئی کام کر سکتے۔ اس کے باوجود ان کے ساتھ چلے جاتے..... دن بھر وہیں رہتے اور ان کے ساتھ ہی واپس آتے۔ ہفتہ بھر یہی معمول رہا۔ ان کی حالت پہلے سے بہتر ہوئی تو پھر سے اپنے کام پر لگ گئے۔

محمد دین کو لاہور واپس گئے سترہ روز ہو چکے تھے۔ اس دوران ان کے دو خط بھی آئے جن میں انہیں واپس آنے کا مطالبہ شدت سے کیا گیا تھا۔ کام ختم ہونے کو تھا۔ اس لئے انہوں نے خط کا جواب نہ دیا۔ دو روز بعد جب وہ لاہور جانے کیلئے تیار تھے کہ مالک مکان نے آکر ایک اور کام کی پیشکش کی لیکن طالعٔ مند نہ مانے۔ اور اسی روز وہ سیالکوٹ سے لاہور چلے آئے۔ محمد دین گھر موجود نہ تھے۔ علم الدین والدہ سے بغلگیر ہوئے تو ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ حال احوال دریافت کیا۔ محمد دین کا دریافت کیا تو

انہوں نے بتایا کہ وہ شام کو دفتر سے واپس آئے گا۔ اس روز علم الدین گھر ہی رہے۔ غروب آفتاب کے وقت محمد دین آئے تو اپنے والد اور بھائی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ خوشی سے پھُولے نہیں سما رہے تھے۔ اس روز بھی وہ رات بھر بیٹھے باتیں ہی کرتے رہے۔

اگلے روز علم الدین اپنے عزیزو اقارب اور دوستوں سے بھی ملے اور انہیں سیالکوٹ میں اپنی مصروفیات کے بارے میں بتایا۔ چند روز بعد طالع مند کو لاہور میں ہی ایک کام مل گیا۔ علم الدین بھی ان کے ساتھ کام پر چلے جاتے۔ ایک روز جب طالع مند کام سے واپس آئے تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ محمد دین کا گھر آباد کرنا ہے۔ کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرو۔ میں اپنی زندگی میں یہ فرض پورا کرنا چاہتا ہوں۔

محمد دین کی والدہ بھی ان کے اس فیصلہ سے خوش تھیں۔ کتنا ارمان تھا انہیں اپنے بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کا! اللہ نے ان کی دعائیں سن ہی لیں۔ محمد دین کا اپنے عزیزوں میں ہی رشتہ طے پا گیا۔ دن مقرر ہوئے اور وہ پلک جھپکنے میں ہی گزر گئے۔ محمد دین کا گھر آباد ہونے کے کچھ دنوں بعد ہی طالع مند انبالہ چلے گئے۔ تین ماہ وہاں رہے اور پھر وہاں سے واپسی کے بعد کوہاٹ چلے گئے۔ اس دوران علم الدین لاہور میں ہی رہے۔ علم الدین اپنے پیشہ میں والد کی طرح ہوشیار تھے۔ اب وہ اکثر اکیلے ہی اپنے کام پر چلے جایا کرتے تھے۔ کوہاٹ ' انبالہ اور کئی دوسرے دور دراز کے مقامات پر بھی جا کر کام کرتے رہے۔

۱۹۲۷ء کے آخیر میں طالع مند لاہور واپس آئے ' کچھ روز گھر رہے اور پھر یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو جب کوہاٹ جانے لگے تو اپنے ہمراہ علم الدین کو بھی لے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک مکان کرائے پر لے لیا اور شہر میں ہی کام کرنے لگے۔ طالع مند کو وہاں اکثر لوگ جانتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی بعض ضروریات وہی پوری کر دیا کرتے تھے۔

اکبر خان مالک مکان کا رویہّ بھی ان کے ساتھ قدرے بہتر تھا۔ پہلے پہل تو ان کے تعلقات رسمی سے تھے۔ لیکن جُوں جُوں وقت گزرتا جارہا تھا۔ وہ طالع مند کے قریب ہوتا گیا۔ طالع مند بھی جب کام سے واپس آتے تو رات گئے تک اکبر خان کے پاس بیٹھے رہتے ' وہ بھی ان کی شرافت دیانت اور سادگی کا قائل ہوچکا ہے۔ اور اکثر اپنے ملِنے جُلنے والوں سے بھی ان کا ذکر کرتا رہتا تھا۔

ایک روز طالع مند اور علم الدین اسی محلہ میں ہی روشن خان کے گھر جب کام کے لئے گئے ہوئے تھے کہ کسی نے انہیں آکر بتایا کہ اکبر خان کا اپنے بھائی سے جھگڑا ہوگیا ہے۔ اس کا بھائی شدید زخمی ہوگیا اور اس کی رپورٹ پر پولیس نے اکبر خان کو گرفتار کر لیا ہے۔ تو طالع مند نے روشن خان سے کہا کہ میں گھر جارہا ہوں۔ اس کے دریافت کرنے پر آپ نے اکبر خان کی گرفتاری کے متعلق اسے بتایا تو اس نے کہا کہ تمہاری اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے جو یُوں کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟

تو طالع مند نے کہا کہ میں اس کا کرائے دار ہوں اور وہ میرا محسن ہے اگر خوشی کے لمحات میں وہ ہمیں نہیں بھول سکتا تو پھر میں اس مصیبت کی گھڑی میں اس کی خبر گیری کیوں نہیں کر سکتا...... ! اور پھر طالع مند روشن خان کی اجازت کے بغیر اور توقع کے خلاف کام چھوڑ کر چلے گئے۔ جبکہ علم الدین ان کی ہدایت پر کام کرتے رہے۔

روشن خان ان کے خلوص سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ بھی اسی وقت اکبر خان کے گھر گیا اور طالع مند سے معذرت چاہی اور اکبر خان کے اہل خانہ سے حالات دریافت کئے اور اپنی طرف سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

روشن خان کی کوشش اور طالع مند کا خلوص ہی تھا کہ اکبر خان کو دوسرے روز ہی پولیس نے چھوڑ دیا۔

اکبر خان تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ طالع منداس کی خاطر اتنا کچھ کر گزرے گا۔ طالعُ مند ایک سال کوہاٹ رہے۔ اس تمام عرصے میں اکبر خان نے ان سے مکان کا کرایہ بھی نہ لیا۔ طالع مند کے ہزار اصرار پر بھی وہ نہ مانا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھنے لگا تھا۔ اکبر خان علم الدین کو اپنے بیٹوں کی طرح ہی چاہتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں فروری کے مہینے کا آغاز تھا۔ طالعُ مند نے اکبر خان کو بتایا کہ اب وہ واپس لاہور جا رہے ہیں تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ واپس چلے جائیں۔ ۱۱ر فروری کو جب وہ کوہاٹ سے لاہور کیلئے روانہ ہوئے تو اکبر خان نے طالع مند اور علم الدین کو ایک ایک چادر اپنی طرف سے تحفہ میں دی اور انہیں سٹیشن تک رخصت کرنے آیا۔

طالع مند اور علم الدین جتنا عرصہ کوہاٹ رہے لاہور میں اپنے عزیز و اقارب اور اہلِ خانہ سے ان کا رابطہ رہا تھا۔ وہ گھر کے تمام حالات سے باخبر تھے۔ محمد دین انہیں باقاعدگی سے خط لکھا کرتے تھے۔ محمد دین کے گھر آنے والے نئے مہمان کو دیکھنے کو ان کا جی چاہ رہا تھا علم دین بھی خوش تھے۔

جس روز وہ لاہور اپنے گھر پہنچے تو سب کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔ ان کے گھر ایسی چہل پہل تھی جیسے عید کا دن ہو۔

دن یونہی ہنسی خوشی گزرتے رہے اب طالع مند کی یہ خواہش تھی کہ علم الدین کا گھر بھی آباد ہو جائے اور پھر ۲۸ مارچ کو علم الدین کی سگائی ان کے ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ طالع مند کتنے خوش نصیب تھے کہ اپنی زندگی میں ہی بیٹوں کی خوشیاں دیکھنے کا انہیں موقع مل رہا تھا۔

علم الدین اپنے حال میں ہی مست رہتے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ اس وقت تک انہیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ گندی ذہنیت کے شیطان صفت راج پال نامی بد بخت نے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان کے خلاف ایک دل آزار کتاب (رنگیلا رسول)

شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا اور عاشقانِ رسول ؐ نے حکومت پنجاب سے اس کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا مطالبہ کیا اور پھر اس مقدمہ کا جو نتیجہ نکلا وہ بھی مسلمانوں کے نزدیک قابلِ اطمینان نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی عبدالعزیز اور اللہ بخش کو راج پال کے خلاف دو مختلف مقدمات میں ملوث پائے جانے کے جرم میں سزا سنادی گئی تھی۔

مولوی نُور الحق مرحوم نے اخبار مُسلم آؤٹ لُک میں راج پال کے خلاف لکھا تو انہیں دوماہ کی سزا کے ساتھ ایک ہزار روپے جرمانہ کیا گیا۔ جلسے، جلوس اور احتجاجی مظاہرے ہوئے قراردادیں پاس ہوئیں۔ اخبارات نے اداریئے لکھے۔ الغرض جو کچھ کسی سے ہوسکا کیا۔ لیکن راج پال نے اپنے جُرم کا اقرار نہ کیا کیونکہ پنجاب گورنمنٹ بجائے اس کے کہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کرتی اُسے تحفظ دیا۔

اُدھر علم الدین ان حالات سے بے خبر تھے۔ ایک روز وہ حسبِ معمول کام پر گئے ہوئے تھے۔ غروب آفتاب کے بعد جب وہ واپس گھر جارہے تھے تو دلی دروازہ میں لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا......... ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا وہ رُکے......... کچھ دیر کھڑے سنتے رہے لیکن ان کے پلے کوئی بات نہ پڑی......... قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا۔ تو انہوں نے علم الدین کو بتایا کہ راج پال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خلاف کتاب چھاپی ہے اس کے خلاف تقریریں ہورہی ہیں۔

علم الدین پڑھے لکھے تو تھے نہیں .... اور تقریریں اردو میں کی جارہی تھی۔ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا تو وہ آگے کو بڑھے......... اور بہت دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے۔ .... چند ایک کو انہوں نے روتے بھی دیکھا......... نعرے بلند ہو رہے تھے

اور پھر ایک اور مقرر آئے......... وہ پنجابی زبان میں مخاطب تھے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے راج پال کو واجب القتل قرار دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانو! اپنی جانیں قربان کر دو اور اس بد بخت راج پال کو اس کے انجام تک پہنچادو۔

وہ نجانے اور کیا کچھ کہتے رہے لیکن علم الدین کی قوتِ سماعت سے صرف وہی الفاظ ٹکرا رہے تھے۔ راج پال واجب القتل ہے۔ اپنی جان کا نذرانہ دینے والو......... راج پال کو اس کے انجام تک پہنچادو!

تقریروں کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ علم الدین اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔

اس جوان کی تقریر نے ان کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچادی تھی۔ گھر پہنچنے تک وہ انہی خیالات میں کھوئے رہے۔ امین بھولے کی دکان سے ذرا آگے ان کی ملاقات اپنے دوست شیدے سے ہوئی۔ تو اس نے اتنی دیر سے آنے کا سبب پوچھا تو آپ نے اُسے مختصراً جلسے کی بابت بتایا...... اور پھر اُسے

وہیں انتظار کرنے کا کہہ کر تیز تیز قدم اُٹھاتے گھر کی طرف چل دیئے۔

طالعؔ مند سامنے والے کمرے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے اوزار ایک طرف رکھے اور ان کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

آج دیر سے چھٹی کی تھی؟

نہیں دیر سے تو چھٹی نہیں کی تھی..... راستے میں دیر لگ گئی ہے۔ علم الدین نے طالعؔ مند کے دریافت کرنے پر جواب دیا۔

کوئی مل گیا تھا؟

نہیں..... وہ دلی دروازہ میں آج بڑے لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔ بس وہاں دیر ہو گئی..... کسی نے ہمارے نبیؐ کے خلاف کتاب چھاپی ہے۔ اس کے خلاف وہ لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔

کس نے چھاپی ہے وہ کتاب؟ طالعؔ مند نے علم الدین کے جواب پر حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا تو آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور ساتھ ہی جلسہ میں ہونے والی تقریروں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کہہ رہے تھے مسلمانو کتاب چھاپنے والے اس شیطان کو جان سے مار دو۔

وہ ٹھیک کہہ رہے تھے بیٹا..... ہمارے نبیؐ کی شان میں کچھ لکھنے والے کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا اس سے پہلے کہ علم الدین انھیں کوئی جواب دیتے دوسرے کمرے سے ان کی والدہ نے انھیں کھانا کھا لینے کے لئے پکارا۔ تو انہوں نے وہیں سے جواب دیا۔

مجھے ابھی بھوک نہیں ہے ماں..... میرا دوست شیدا باہر کھڑا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں..... اتنا کہتے ہوئے علم الدین اُٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ طالعؔ مند نے انھیں جاتے ہوئے ایک نظر دیکھا۔ اور پھر سے کھانا کھانے لگے۔ اس دوران وہ کوہاٹ واپس جانے کا پروگرام ترتیب دیتے رہے۔ انھیں معلوم تھا کہ علم الدین اب دیر سے ہی واپس آئے گا۔ کیونکہ شیدے کے ساتھ ان کی دوستی بچپن سے ہی تھی۔

اُدھر شیدا ایک مکان کے باہر بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ علم الدین کو دُور سے ہی آتے دیکھ کر وہ اُسی طرف چل دیا۔ اور پھر وہ دونوں سریاں والا بازار سے سُرجن سنگھ چوک کی طرف نکل گئے۔ اور پھر یُوں ہی باتوں باتوں میں علم الدین نے شیدے کو دِلی دروازہ میں منعقدہ جلسے کی بابت بتاتے ہوئے پُوچھا کہ تمہیں معلوم ہے یہ کتاب کِس نے چھاپی ہے؟ تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسے کیا معلوم تھا۔ وہ بھی تو علم الدین کی طرح بے خبر ہی تھا۔ وہ کچھ دیر اُدھر گھومتے رہے۔ اور پھر واپسی پر سریاں والا بازار میں دودھ دہی والے کی دکان پر بیٹھے تھے کہ اتنے میں آمین صاحب جو سُرجن سنگھ چوک میں دکان کرتے تھے اِدھر آ نکلے۔ وہ علم الدین کے ساتھ بہت پیار کرتے تھے۔ لیکن ان کا شیدے کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ان کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ شیدا یونہی دن رات بے مقصد گھومتا رہتا ہے۔ کئی بار انہوں نے علم الدین کو

اشارتاً سمجھایا بھی تھا لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا تھا.........! اور آج پھر انہوں نے دونوں کو سُرجن سنگھ چوک میں بھی گھومتے دیکھا تھا۔ انھیں وہاں بیٹھے دیکھ کر وہ غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ علم الدین کو بلانا چاہا...... اور پھر کچھ سوچ کر آگے کو چل دیئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ طالعٔ مند سے بات کریں گے۔

رات گئے جب علم الدین گھر پہنچے تو طالعٔ مند ابھی تک جاگ رہے تھے۔ آج نجانے کیوں نیند اُن سے کوسُوں دُور تھی۔ علم الدین نے بھی انہیں چور نظروں سے جاگتے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ طالع مند نے بھی ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور پھر انھیں نہیں معلوم کہ کس وقت نیند کی دیوی نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ صبح وہ دیر سے اُٹھے...... رات دیر تک جاگنے سے اُن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جس وقت وہ اُٹھے تھے اس وقت تک علم الدین کہیں باہر جا چُکے تھے۔ کمرے کے کونے میں پڑے اوزار اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ علم الدین آج کام پر نہیں گئے۔ ان دنوں وہ خود بھی کام پر نہیں جا رہے تھے۔ ابھی چارپائی پر بیٹھے وہ علم الدین کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے۔ کہ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ دروازے کی طرف لپکے۔ دروازہ کھولا تو آمین صاحب کو اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران ہوئے۔

اسلام علیکم! سناؤ طالعٔ مند کیسے ہو؟ میں تو سمجھا تھا تم واپس کوہاٹ چلے گئے ہو گے؟

طالعٔ مند نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا "چند روز تک جاؤں گا۔"

لیکن...... لیکن تم آج راستہ کیسے بھول گئے ہو؟ آؤ آؤ اندر آ جاؤ۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تو آمین نے جواب دیا۔

راستہ نہیں بھولا، تمہارا علم الدین راستہ بھُول گیا ہے۔ اتنا کہتے ہوئے وہ اندر چلے گئے۔ ان کا جواب طالعٔ مند کی سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے حیرت سے پُوچھا۔

علم الدین راستہ بھول گیا ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو آمین...... وہ تو ابھی ابھی گھر سے گیا ہے۔

کمال ہے طالعٔ مند...... معلوم نہیں تم نے اتنی عمر کہاں گزار دی۔ رات کو کہاں تھے؟ رات کو گھر پر ہی تھا۔ طالعٔ مند نے جواب دیا۔ تو آمین نے پوچھ ہی لیا۔

تمہارا علم الدین رات کس وقت گھر آیا تھا؟ رات دیر سے آیا تھا لیکن تم کیوں پُوچھ رہے ہو؟ یوں پہیلیاں کیوں بُوجھ رہے ہو؟ سیدھی بات کرو...... کیا کیا ہے میرے علم الدین نے؟ طالعٔ مند نے جواب دیتے ہوئے پوچھا تو آمین نے کہا۔

دیکھ طالعٔ مند تم میرے دوست ہو۔ اور میں بھی علم الدین کو اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا تم...... میں تو تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ اس کا ذرا خیال رکھا کرو.......... مجھے اس کا رات گئے تک بازار گھومنا اور بیٹھنا

کچھ اچھا نہیں لگتا۔ کون ہیں وہ کن کے ساتھ گھومتا ہے؟ طالعٔ مند نے پوچھا تو آمین نے کہا۔ علم الدین آئے تو اس سے پُوچھ لینا اب بھی وقت ہے اُسے سنبھال لو...... نہیں تو پچھتاؤ گے...... اب میں چلتا ہوں...... دیر ہو رہی ہے۔ اتنا کہتے ہوئے وہ اُٹھے اور چل دیئے۔

اُدھر علم الدین طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی اپنے دوست شیدے کے گھر پہنچ چکے تھے۔ شیدے کو ساتھ لے کر وہ لوہاری کی طرف چلے گئے۔ اس دوران بھی جلسے میں ہونے والی تقریریں ہی ان کا موضوع گفتگو بنی رہیں۔ لوہاری پولیس سٹیشن کے سامنے ہی شیدے کا ایک دوست رہتا تھا۔ انہوں نے اسے بھی ساتھ لیا۔ اور پرانی انار کلی کی طرف نکل گئے۔ یوں ہی باتوں باتوں میں جب گذشتہ روز ہونے والے جلسہ کا ذکر چلا تو شیدے کے دوست کی زبانی انھیں معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف کتاب چھاپنے والا راجپال نامی شخص انار کلی میں ہی ہسپتال روڈ پر رہتا ہے۔

علم الدین شیدے اور اس کے دوست کے ساتھ دن بھر گھومتے رہے اور پھر وہ شیدے کے ہمراہ اس کے گھر چلے گئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت جب وہ گھر کی طرف واپس جا رہے تھے تو مسجد وزیر خان کے قریب گذشتہ روز کی طرح ایک اور ہجوم دیکھا۔ تو وہ رُک گئے۔ یہ جلسۂ عام بھی راجپال کے خلاف ہی تھا۔

علم الدین بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے۔ عشاء کی اذان تک مقررین تقریریں کرتے رہے اور لوگ راجپال کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کے نعرے لگاتے رہے۔ اس جلسۂ عام میں بھی بعض مقررین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتاب چھاپنے والے راجپال کو واجبُ القتل قرار دیتے ہوئے پنجاب گورنمنٹ سے بھی اپیل کی کہ ملزم کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جائے' جس نے کروڑوں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا۔ جلسہ کی کارروائی ختم ہوئی تو لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیئے۔

علم الدین بھی اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔ اُدھر طالعٔ مند دن بھر ان کا انتظار کرتے رہے...... ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ علم الدین آج کس طرف نکل گیا ہے' کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی اتنی دیر نہیں لگائی تھی۔ انھیں رہ رہ کر شیدے پر غصہ آ رہا تھا۔ کہ اس نے علم الدین کو بگاڑ دیا ہے۔

علم الدین اس روز کام پر بھی نہیں گئے تھے۔ جس کی وجہ سے طالعٔ مند سخت غصے میں بھرے بیٹھے تھے۔ غروبِ آفتاب کے وقت وہ بے چین ہو گئے۔ جُوں جُوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک بار انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ شیدے کے گھر جا کر معلوم کریں۔ اور پھر اس خیال کو بھی دل سے نکال دیا۔ گھر کے تمام افراد ان کی پریشانی کا سبب جانتے تھے۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ آج علم الدین کی خیر نہیں۔ کیونکہ طالعٔ مند کی غصیلی طبیعت سے سبھی واقف تھے۔ کسی کو کچھ کہنے کی جراُت نہ ہو سکی۔

دھیرے دھیرے اندھیرا بڑھتا جارہا تھا............!

طالعُ مند کو یہ تو معلوم تھا کہ شیدا علم الدین کا دوست ہے۔ لیکن وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے؟ اور کیا کرتا ہے! وہ انہی سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھے کہ اتنے میں محمد دین وہاں آ گئے۔ انہوں نے جونہی اپنے والد کو پریشان حال دیکھا تو اس کا سبب دریافت کیا تو طالعُ مند نے ان سے شیدے کے بارے میں دریافت کیا۔

کون شیدا...... علم الدین کا دوست؟

ہاں وہی وہ کون ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ طالعُ مند نے تصدیق کرتے ہوئے پُوچھا تو محمد دین نے انھیں بتایا کہ یہ وہی شیدا ہے جس کا باپ مسجد وزیر خان کے سامنے دکان کرتا تھا۔ اور پھر ایک روز جوئے کے ایک داؤ میں دکان بھی ہار بیٹھا تھا۔

یہ سنتے ہی طالعُ مند کی پیشانی کی سلوٹیں پہلے سے بھی زیادہ نمایاں ہو گئیں تو محمد دین نے پُوچھ ہی لیا۔

لیکن آپ...... آپ یہ سب کچھ کیوں پُوچھ رہے ہیں؟ تو طالعُ مند نے علم الدین کے یُوں رات کو دیر سے آنے اور پھر آمین کی آمد کے متعلق انھیں تفصیل سے بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گئے۔

علم الدین کو آلینے دیں۔ میں اسے سمجھاؤں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی محمد دین نے موضوعِ گفتگو بدلنے کی خاطر ان سے کوہاٹ جانے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ دو چار روز تک جانے کا ارادہ ہے۔

علم الدین بھی ساتھ جائے گا کیا؟

ہاں اب کی بار تو اسے ضرور لے جاؤں گا۔ طالعُ مند نے ٹھوس لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ جیسے انہوں نے علم الدین کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں علم الدین واپس گھر آ گئے۔

طالعُ مند نے انھیں بغور دیکھا...... اور علم الدین کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو لہو نہ نکلے...... طالعُ مند کے بلانے پر علم الدین سر جھکائے اُن کی طرف بڑھے۔ اور اُن کے قریب پہنچ کر مؤدب انداز میں کھڑے ہو گئے۔

علم الدین...... کس وقت گھر سے گئے تھے؟

جی...... جی صبح گیا تھا۔ علم الدین نے ان کے دریافت کرنے پر ڈرتے ڈرتے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

اور اب واپس آئے ہو...... کہاں تھے اس وقت تک؟ ان کے لہجے میں تلخی کا عنصر نمایاں تھا۔

علم الدین خاموش رہے تو انہوں نے پھر دریافت کیا۔ لیکن وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑے رہے...... کچھ نہ بولے تو طالع مند چارپائی سے اُٹھے'' اور ان کے پاس چلے گئے۔

میں پُوچھتا ہوں کہاں تھے اس وقت تک؟ انہوں نے گرج دار آواز میں پُوچھا تو علم الدین صرف اتنا ہی کہہ سکے۔

میں..... میں شیدے کے.........!

ہاں ہاں مجھے معلوم ہے تم شیدے کے ساتھ ہی رہے ہو گے۔ طالعٗ مند نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو علم الدین ذرا پیچھے ہٹے طالعٗ مند بڑھ کر انھیں کلائی سے پکڑتے ہوئے دروازے کی طرف لے گئے۔ اور ایک طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

جاؤ چلے جاؤ..... اُسی شیدے کے پاس..... سارے جہان کا لوفر تمہارا دوست ہے۔ جاؤ اس کے پاس رہو۔

علم الدین دروازے کے قریب گُم صُم کھڑے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آج کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے، جو اتنا سخت رویّہ اختیار کیا گیا ہے۔ اتنے میں محمد دین آگے بڑھے اور علم الدین کو اپنی بغل میں لئے طالعٗ مند کے پاس لاتے ہوئے کہا۔

اب کی بار اسے معاف کر دیں۔ پھر کبھی دیر سے نہیں آئے گا۔ علم الدین کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ محمد دین کی مداخلت سے طالعٗ مند کا غصہ بھی قدرے کم ہو گیا تھا۔ محمد دین علم دین کو لئے کمرے کے اندر چلے گئے۔ اور سمجھانے لگے کہ یوں دیر سے گھر نہ آیا کرو......... لوگ باتیں بناتے ہیں۔

کیا باتیں بناتے ہیں؟ علم الدین نے رو دینے والے لہجے میں پوچھا تو محمد دین نے انھیں آمین کے آنے اور شیدے کے ساتھ گھومنے پھرنے کی شکایت کرنے کا بتایا۔ اور پھر محمد دین اُن کے لئے کھانا لے آئے۔ وہ کھانا کھا چکے تو محمد دین اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اگلے روز علم الدین منہ اندھیرے ہی اُٹھے اور بنا کچھ کھائے پیئے اپنے اوزار سنبھالے اور چلے گئے۔

غروبِ آفتاب کے وقت جب علم الدین واپس آئے تو طالعٗ مند نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور پھر اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھایا رات دیر گئے تک وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران علم الدین نے انہیں گذشتہ روز کے جلسہ سے متعلق بتاتے ہوئے پُوچھا کہ وہاں سب کہہ رہے تھے کہ راج پال واجب القتل ہے تو کیا راج پال کو قتل کرنے والے کو سزا نہیں ہو گی؟

نہیں بیٹے......... قتل کی سزا تو ضرور ملے گی۔ کیونکہ قاتل قانون کی زد میں آتا ہے اور قانون کسی

کو معاف نہیں کرتا چاہے کسی نے قتل نیک نیتی اور اصلاح احوال کی خاطر ہی کیوں نہ کیا ہو۔
طالع مند کا جواب سن کر علم الدین خاموش ہوگئے۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے۔ ....
اس دوران محمد دین بھی آ گئے تو طالع مند نے انہیں بتایا کہ ہم دو چار روز تک واپس کوہاٹ چلے جائیں گے اور واپسی پر علم الدین کا گھر بھی آباد ہو جائے گا۔ یہ سن کر علم الدین اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور باپ بیٹے بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔
علم الدین بہت تھکے ہوئے تھے۔ جلد ہی سو گئے اس روز خواب میں ایک بزرگ انہیں ملے اور انہیں کہا کہ علم الدین تم ابھی تک سو رہے ہو۔ تمہارے نبیؐ کی شان کے خلاف اسلام دشمن کھُلم کھُلا کارروائیوں میں لگے ہیں اُٹھو جلدی کرو۔
علم الدین ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے .... رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ان کا تمام جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے بعد ان کی آنکھ نہ لگی۔ وہ منہ اندھیرے ہی اُٹھے .... اپنے اوزار سنبھالے اور گھر سے چلے گئے۔ وہ سیدھے شیدے کے گھر پہنچے۔ وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ آپ کو منہ اندھیرے اپنے گھر دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔
اس کے دریافت کرنے پر آپ نے اسے جلدی سے تیار ہونے کا کہا اور پھر دونوں لوہاری سے ہوتے ہوئے بھاٹی دروازے کی طرف آ نکلے' شیدا ابھی تک حیران تھا کہ علم الدین کو آج کیا ہو گیا۔ ایک دوبار اس کے دریافت کرنے پر آپ نے کہا بتاتا ہوں ذرا صبر کرو۔
بھاٹی دروازے کے سامنے کھُلے میدان میں وہ جا بیٹھے اور پھر شیدے کو خواب سنایا تو وہ پھٹی پھٹی نظروں سے علم الدین کو دیکھے جا رہا تھا .... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ جو خواب علم الدین نے اسے سنایا تھا .... وہی خواب رات کو اس نے بھی دیکھا تھا۔
علم الدین! یہی خواب تو میں نے دیکھا ہے۔
نہیں شیدے .... یہ خواب میں نے دیکھا ہے اور اب اُس حکم پر عمل بھی میرا ہی ہوگا اور دیکھ خواب بھی پہلے میں نے سنایا ہے اور یہ حق بھی میرا ہی بنتا ہے۔
راج پال کی زندگی کا آخیر میرے ہاتھوں ہو گا۔ شیدے نے جیسے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔
تو علم الدین خاموش ہو گئے اور پھر یُوں گویا ہوئے۔
دیکھ شیدے .... ہم دونوں نے خواب دیکھا ہے اور اب ہمیں ہی فیصلہ کرنا ہے کہ یہ کام کون کرے گا۔
تو پھر کیسے یہ فیصلہ ہو گا؟ شیدے نے پوچھا۔
تو علم الدین نے کہا .... ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اُٹھے اور کاغذ کے دو

ٹکڑے اُٹھالائے۔ ایک شیدے کو اور دوسرا اپنے پاس رکھا اور اسے کاغذ پر کوئی نشان لگانے کا کہا۔
دیکھ شیدے .... دونوں کاغذ پھینک کر اٹھاتے ہیں جس کا نام نکلے وہی راج پال کو قتل کرے گا۔
لیکن یہ کاغذ تم نہیں اٹھاؤ گے۔ شیدے نے اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے ٹکڑے پر نشان لگاتے ہوئے کہا۔
ٹھیک ہے......... اور اس کے ساتھ ہی علم الدین نے اس سے کاغذ کا ٹکڑا لے کر دونوں ٹکڑے زمین پر پھینک دیئے اور پھر علم الدین نے اسی کھلے میدان میں کھیلتے ہوئے ایک نو عمر لڑکے کو بلا کر دونوں میں سے ایک کاغذ اُٹھانے کا کہا۔
اس لڑکے نے جب پرچی اٹھائی تو علم الدین کا نام نکلا......... تو وہ خوشی سے اُچھل پڑے
علم الدین اس طرح نہیں......... ایک بار پھر کاغذ پھینکو شیدے نے کہا تو وہ مان گئے۔
اسی لڑکے نے دوبارہ پرچی اٹھائی تو پھر علم الدین کا نام نکلا تو شیدے کا چہرہ مُرجھا گیا۔
علم الدین دو دفعہ تمہارا نام نکلا ہے۔ صرف ایک بار اور.........
نہیں شیدے اب نہیں......... فیصلہ ہو گیا ہے علم الدین نے کہا۔
تو شیدے نے ان کی منت کرتے ہوئے کہا۔
علم الدین......... صرف ایک بار پھر پرچی پھینکو......... اب کی بار بھی اگر تمہارا نام نکلا تو تمہاری قسمت!
ٹھیک ہے اتنا کہتے ہوئے علم الدین نے دونوں پرچیاں گول کر کے زمین پر پھینک دیں.........!
اور جب اس لڑکے نے پرچی اٹھائی تو پھر جو نام نکلا وہ علم الدین کا ہی تھا۔ علم الدین کا چہرہ اس جیت کی خوشی سے سرخ ہو گیا تھا اور شیدا ان کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔
کچھ دیر بعد وہ وہاں سے اُٹھے اور واپس چل دیئے۔ چوک گُرجن سنگھ میں وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوئے شیدا اپنے گھر اور علم الدین کام پر پہنچ گئے۔
اُدھر طالع مند جب جاگے تو انہوں نے علم الدین کو گھر نہ پا کر دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ علم الدین تو منہ اندھیرے ہی اپنے کام پر چلا گیا تھا۔ تو وہ سوچنے لگے کہ آخر اتنی جلدی جانے کی بھی ضرورت کیا تھی۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ علم الدین راج پال کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو گا۔
ادھر شیدا جب گھر پہنچا تو اس کی والدہ نے دریافت کیا کہ آج منہ اندھیرے ہی کدھر چلے گئے تھے تو اس نے جواب دیا کہ علم الدین کو میرے ایک جاننے والے نے کام کرنے کا کہا تھا۔ اسے گھر معلوم نہیں تھا اس لئے اسے وہاں تک چھوڑنے گیا تھا۔ شیدے نے اس صفائی سے جھوٹ بولا کہ وہ بھی سچ سمجھ

بیٹھیں انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کا بیٹا کس امتحان سے ہو گزرا ہے!

علم الدین جب لوہاری پولیس اسٹیشن کے قریب پہنچے تو وہاں کچھ دیر کے لئے رُکے............ آج

ان کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ کام پر جائیں انہی سوچوں کے بھنور میں غوطہ زن وہ نجانے کتنی دیر وہاں رُکے رہے اور پھر غیر ارادی طور پر ایک طرف کو چل دیئے۔ وہ راج پال کو جہنم رسید کرنے کی سوچوں میں اتنے مگن ہوئے کہ انہیں بھاٹی گیٹ پہنچ کر احساس ہوا کہ وہ اتنی دُور نکل آئے ہیں وہ پھر وہاں سے واپس گھر کی طرف چل دیئے۔ جب گھر پہنچے تو طالع مند اس وقت گھر نہیں تھے۔ انہوں نے اوزار رکھے اور اپنے کمرے میں جاکر لیٹ گئے۔ وہ چشمِ تصوّر میں دیکھ رہے تھے کہ راج پال کی نعش ایک فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی ہے اور ہزاروں لوگ وہاں جمع ہوگئے اور پھر پولیس نے انہیں قتلِ راج پال کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ انہی سوچوں میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ .... کیا دیکھتے ہیں وہی بزرگ انہیں کہہ رہے ہیں علم الدین دیر نہ کرو............ یہ کام تم نے کرنا ہے اُٹھو............ جلدی کرو اور پھر ان کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے کہا............ علم الدین............ تم نے دیر کر دی تو یہ بازی کوئی اور جیت جائے گا۔ علم الدین ان سے کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن انہیں اس کا موقع بھی نہ ملا۔ کیونکہ طالع مند نے اس لمحے انہیں جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا۔

کیا بات ہے بیٹے آج کام پر نہیں گئے انہوں نے بڑے پیار سے پوچھا تو علم الدین نے ناسازیِ طبیعت کا کہتے ہوئے کہا کہ کل کام پر جاؤں گا تو طالع مند نے کہا............ پرسوں کوہاٹ جانا ہے کل کام پر نہ جانا............ گھر ہی رہنا............ مجھے کہیں جانا ہے اتنا کہتے ہوئے طالع مند کمرے سے باہر نکل گئے۔

علم الدین بعد دوپہر تک گھر ہی رہے۔ کھانا کھایا اور پھر اپنے کمرے میں چلے گئے غروب آفتاب کے وقت جب وہ گھر سے نکلے تو طالع مند بھی کہیں گئے ہوئے تھے۔ چھتری اور ٹارچ لئے وہ سیدھے شیدے کے گھر جا پہنچے............ حُسنِ اتفاق ہی تھا کہ وہ انہیں گھر ہی مل گیا شیدے کے دریافت کرنے پر آپ نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ فرطِ جذبات سے شیدے کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ علم الدین سے بغلگیر ہو گیا آپ نے ٹارچ اور چھتری شیدے کو دی اور کلائی گھڑی اتار کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

شیدے............ میرے پاس اور تو کچھ ہے نہیں............ یہ چیزیں تمہیں میری یاد دلاتی رہا کریں گی۔

شیدا ایک بار پھر ان سے بغلگیر ہو گیا۔ آپ نے اسے اپنے سے جدا کرتے ہوئے وہی خواب سنایا جو دن کو دیکھا تھا۔

علم الدین تم خوش نصیب ہو جو اس کام کے لئے منتخب کر لئے گئے ہو کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی۔

دعا کرو شیدے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں شیدے کے کہنے پر آپ نے جواب دیا اس سے اجازت لی۔ وہ سرجن سنگھ چوک تک آپ کے ساتھ آیا وہاں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے شیدے نے علم الدین کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے انہیں الوداع کیا۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوئے تو وہ بھی گھر کی طرف چل دیا۔

علم الدین گھر پہنچے.......... طالع مند ابھی تک واپس نہیں آئے تھے وہ سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے آپ کی والدہ کھانا لے کر آگئیں۔ آپ نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اسی دوران طالع مند بھی واپس آ چکے تھے۔ علم الدین رات گئے تک جاگتے رہے نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ سحری کے قریب ان کی آنکھ لگی اور جب وہ جاگے اس وقت تک دن کافی نکل آیا تھا۔

۶ اپریل.......... طالع مند صحن میں بیٹھے تیشے کی دھار بنا رہے تھے آپ کی بھابھی بچی کو گود میں لئے ایک طرف بیٹھی تھیں اور محمد دین اپنے کمرے میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ جب کہ والدہ گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی تھیں۔ علم الدین انکے قریب آئے اور انہیں میٹھے چاول پکانے کا کہا۔

اچھا بیٹے ابھی پکاتی ہوں.......... بس تھوڑا سا کام رہ گیا ہے ان کی والدہ نے کہا تو علم دین طالع مند کے پاس جا بیٹھے۔ وہ ابھی تک اپنے اوزاروں کی درستگی میں لگے تھے علم الدین اُٹھے اور پانی کا ٹب بھرا اور نہا دھو کر لباس بدلا۔ خوشبو لگائی اور پھر اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔

اس دوران ان کی والدہ میٹھے چاول پکا چکی تھیں۔ علم الدین کو آواز دی تو وہ طالع مند کے پاس ہی آ بیٹھے اور پھر دونوں باپ بیٹا صحن میں ہی بیٹھ کر چاول کھانے لگے۔ انہوں نے ابھی دو چار ہی نوالے کھائے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی.......... انہوں نے دروازہ کھولا تو ایک جوان نے طالع مند کی بابت دریافت کیا۔ آپ کے بتانے پر اس نے انہیں باہر بلانے کو کہا آپ نے وہیں سے آواز دی تو طالع مند بھی آ گئے۔

آپ واپس آ گئے طالع مند دروازے میں ہی کھڑے اس جوان سے باتیں کرتے رہے اور پھر اس کے ساتھ چل دیئے۔

کھانے سے فارغ ہو کر علم الدین نے ننھی بھتیجی کو بوسہ دیا جو ابھی تک سو رہی تھی اور پھر بھابھی سے چار آنے مانگے۔ ان کے دریافت کرنے پر آپ نے کہا مجھے ضرورت ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک آنہ ہی مانگا کرتے تھے۔

بھابھی نے آپ کو چار آنے دیئے............ آپ کی جیب میں بھی بارہ آنے تھے اور یوں ان کے پاس ایک روپیہ ہو گیا تھا۔ پھر والدہ سے کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور ہنستے مسکراتے گھر سے باہر چلے گئے طالع مند ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔

علم الدین گھر سے نکلے........... حاجی صادق دودھ دہی والے کی دکان کے قریب کچھ دیر کھڑے رہے اور پھر چل دیئے۔ چلتے چلتے وہ گمٹی بازار پہنچ گئے........... کچھ دیر وہاں گھومتے رہے اور پھر آتمارام کباڑیئے کی دکان کے آگے جا کر رُک گئے۔ آتمارام کے دریافت کرنے پر آپ نے ایک طرف لگے چاقوؤں چھریوں کے ڈھیر سے ایک چھری اٹھاتے ہوئے اس کی قیمت پوچھی۔

آتمارام نے قیمت بتائی تو آپ نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ آتمارام نے آپ کو چھری "ڈھب" میں رکھتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔ آتمارام سے اکثر گاہک چھریاں چاقو خریدتے تھے اور اکثر گاہکوں کے ساتھ اس کی تکرار دام کم کرنے پر ہو جایا کرتی تھی اور وہ تو علم الدین کو اس لئے بغور دیکھ رہا تھا کہ انہوں نے اسے منہ مانگی قیمت بحث و تکرار کے بغیر ہی ادا کر دی تھی۔ وہ علم الدین کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک اور گاہک آیا تو اس کی توجہ بٹ گئی۔ اس دوران علم الدین وہاں سے چل دیئے اور پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ شاہ عالمی سے ہوتے ہوئے جب وہ لوہاری پولیس اسٹیشن کے قریب پہنچے تو پولیس کے چند جوانوں کو وہاں کھڑے دیکھا۔ آپ کو اپنے دل کی دھڑکن بھی اب صاف سنائی دے رہی تھی۔ ایک بار اپنی "ڈھب" میں چھری کو ٹٹول کر دیکھا اسے موجود پا کر مطمئن سے ہو گئے۔ تیز تیز قدم اٹھاتے آپ انارکلی میں داخل ہو گئے۔ اس وقت دن کے ایک بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔

انارکلی میں ہسپتال روڈ پر عشرت پبلشنگ ہاؤس کے سامنے ہی راج پال کا دفتر تھا۔ جہاں وہ بیٹھا کرتا تھا اور آپ نے وہاں پہنچنا تھا ذرا آگے لکڑی کا ٹال تھا اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کھوکھا تھا۔ علم الدین اس کے پاس پہنچے۔ کھوکھے کے اندر بیٹھے ہوئے جوان سے انہوں نے راج پال کا دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ابھی نہیں آیا۔ کیوں کہ وہ جس وقت دفتر میں ہوتا ہے تو پولیس کے جوان پہرہ دے رہے ہوتے ہیں۔ علم الدین کھوکھے کے ساتھ لگے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

وہ کس وقت آئے گا؟ علم الدین نے دریافت کیا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا............ وہ ابھی انہیں باتوں میں مصروف تھے کہ اتنے میں ایک کار راج پال کے دفتر کے سامنے آ کر رُکی........... دروازہ کُھلا........... جونہی راج پال باہر نکلا........... اس جوان نے علم الدین کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے اُس طرف اشارہ کیا اور کہا۔

یہی راج پال ہے جس نے کتاب چھاپی ہے!

راج پال کو دیکھتے ہی علم الدین کی آنکھوں میں خون اُتر آیا............ اور پھر اُن کی قوت سماعت

سے وہی الفاظ ٹکرائے .... علم الدین دیر نہ کرو .... یہ کام تم نے کرنا ہے اُٹھو جلدی کرو! اس کے ساتھ ہی وہ اُٹھے اور تیز تیز قدم اُٹھاتے راج پال کے دفتر کی طرف چل دیئے۔ کھوکھے کے اندر بیٹھا جوان آپ کو اُدھر جاتے ہوئے بغور دیکھ رہا تھا۔

راج پال اُسی وقت ہردوار سے واپس آیا تھا وہ دفتر میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھا .... اور پولیس کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے ٹیلی فون کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں علم الدین دفتر کے اندر داخل ہوئے۔

اس وقت راج پال کے دو ملازم بھی وہاں موجود تھے۔ کدار ناتھ پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا جب کہ بھگت رام راج پال کے پاس ہی کھڑا تھا۔ راج پال نے درمیانے قد کے گندمی رنگ والے جوان کو دفتر کے اندر داخل ہوتے دیکھ لیا، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ موت اس کے اتنے قریب آ چکی ہے۔

علم الدین سیدھے اُسی کی طرف آ رہے تھے .... راج پال کے سامنے پڑے میز کے قریب آ کر رُکے .... راج پال اور موت کے درمیان اب صرف چند بالشت کا فاصلہ رہ گیا تھا اسی لمحے بھگت رام الماری میں رکھی کتابوں کی جھاڑ پونچھ کے لئے بڑھا۔

علم الدین راج پال کو پہچان گئے تھے۔ پلک جھپکنے میں انہوں نے "ڈھب" سے چھری نکالی .... ان کا ہاتھ نظر نہ آنے کے مقام پر ضرب لگانے میں مشاق تھا .... ہاتھ فضاء میں بلند ہوا .... اور پھر راج پال کے جگر پر جا لگا .... چھُری کا پھل .... راج پال کے سینے میں اُتر چکا تھا۔ ایک ہی وار اتنا کارگر ثابت ہوا کہ راج پال کے منہ سے صرف "ہائے" کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر جا پڑا .... چھُری ابھی علم الدین کے ہاتھ ہی میں تھی "ہائے" کی آواز کے ساتھ ہی بھگت رام نے جو مُڑ کر دیکھا تو راج پال زمین پر پڑا تھا اور اس کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ کدار ناتھ بھی آواز سن کر وہاں پہنچ چکا تھا۔

علم الدین کو چھری پھینکتے دیکھ کر کدار ناتھ نے ہاتھ میں پکڑی کتابیں اُن کی طرف اُچھال دیں۔ علم الدین اُلٹے قدموں باہر کو دوڑے .... کدار ناتھ اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور و غل مچایا .... پکڑو، پکڑو .... مار گیا کا شور بلند ہوا .... دیوان وزیر چند (گوجرانوالہ) اس وقت اخبار "گرو گھنٹال" کے دفتر میں شام لال کپور مالک اخبار مذکور کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا۔ دفتر اخبار "گورو گھنٹال" راج پال کی دکان کے اوپر ہی تھا شور و غوغا سن کر دیوان وزیر چند نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اسے راج پال کے دفتر کے باہر بھی چند کتابیں گری ہوئی نظر آئیں .... اس نے ایک نوجوان کو بھی دیکھا جو ایک طرف کو بھاگا جا رہا تھا۔ دیوان وزیر چند نے اس کے پیچھے لوگوں کو بھاگتے دیکھا تو وہیں

سے آوازیں لگانی شروع کر دی.........پکڑو' پکڑو..........اور اس کے ساتھ ہی خود بھی نیچے اتر کر اس طرف بھاگا۔

اُدھر علم الدین دفتر سے باہر نکل کر سیتارام سوداگر چوب کی دکان کے اندر داخل ہوئے......... مگر راستہ بند دیکھ کر واپس پلٹے..........تو سیتارام کے بیٹے ودیا نند نے انہیں پکڑ لیا ودیا نند ہسپتال روڈ پر ہی اپنے دفتر میں بیٹھا تھا اور شور سن کر باہر نکلا تھا۔

ودیا نند نے علم الدین کو پکڑ رکھا تھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی آ گئے اور علم الدین چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ " میں نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بدلہ لے لیا.........میں نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بدلہ لے لیا" اس وقت تک دیوان وزیر چند بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس کے دریافت کرنے پر علم الدین نے کہا میں نے کچھ نہیں چرایا۔ میں نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بدلہ لیا ہے اور پھر وہ لوگ علم الدین کو پکڑے راج پال کے دفتر کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ راج پال کو قتل کر دیا گیا ہے چھُرا راج پال کی نعش کے قریب ہی پڑا تھا۔ علم الدین کے چہرے کا رنگ زرد تھا مگر جب انہوں نے مقتول کی زرد روئی ملاحظہ کی تو سرخرو ہو گئے اور بولے میں نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بدلہ لے لیا۔ حقیقت میں ان کے چہرے کا رنگ اس اندیشے سے زرد ہوا تھا کہ وہ بھی پہلوں کی طرح ناکام نہ رہے ہوں۔ مگر جب اپنی محنت ٹھکانے لگی دیکھی تو ہشاش بشاش ہو گئے۔ دیوان وزیر چند نے اُسی وقت پولیس کو بلانے کے لئے ایک جوان کو بھیجا۔ برکت علی ہیڈ کانسٹیبل پولیس اس وقت لوہاری گیٹ میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اس جوان نے برکت علی کو راج پال کے قتل کی خبر سنائی تو وہ رحمت خان کے علاوہ چند سپاہیوں کو لے کر فوری طور پر جائے وقوع پر پہنچا۔

برکت علی نے علم الدین کو اپنے ساتھ آنے والے دو سپاہیوں کے حوالے کیا اور کہا کہ وہ اسے بلا تاخیر لوہاری دروازے کی پولیس چوکی لے جائیں۔ کیونکہ جائے وقوع پر لوگ جمع ہو رہے تھے اور فساد کا اندیشہ ہے۔ پولیس کے دونوں جوان علم الدین کو پولیس چوکی کی طرف لے کر چل دیئے اتنے میں تارا چند ہیڈ کانسٹیبل بھی وہاں آ گیا۔ دفتر کے اندر راج پال کی نعش کو بغور دیکھا اور خون آلود چھُری قبضہ میں لے لی اور فہرست مرتب کرنے لگے۔

اُدھر جب پولیس کے جوان علم الدین کو لے کر پولیس چوکی پہنچے تو وہاں سے ایک ملازم نے چودھری جلال الدین سب انسپکٹر پولیس تھانہ کچہری کو ٹیلی فون کیا اور راج پال کے قتل کی اطلاع دی۔ وہ بے تحاشا وہاں سے بھاگ اٹھا لوہاری دروازہ کے باہر پولیس چوکی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ ملزم کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور مقتول کی نعش ابھی جائے وقوع پر ہی پڑی ہے۔ سب انسپکٹر نے علم الدین کے خون آلود کپڑوں اور ہاتھوں پر لگی خراشیں قلمبند کیں اور جائے وقوع کی جانب بھاگا۔ اس وقت تک وہاں ہزاروں

لوگ جمع ہو چکے تھے۔

جلال دین جب راج پال کے دفتر پہنچا تو اس وقت تارا چند بر آمدگی مرتب کر رہا تھا۔ سب انسپکٹر نے چھری کا خاکہ تیار کیا.........اور پارسل میں بند کر کے اس پر امام دین کانسٹیبل کی مُہر لگائی اور پھر کدار ناتھ کا بیان قلمبند کیا۔

وقوعہ قتل کے بعد حکام پولیس اور تماشائیوں کا ایک بھاری ہجوم راج پال کی دکان پر جمع ہو گیا تھا۔ انسپکٹر جنرل پولیس، سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس خان بہادر عبدالعزیز مسٹر جنکسن، مسٹر پکل ڈپٹی کمشنر، روشن لال مجسٹریٹ بھی آپہنچا تھا۔

چند میونسپل کمشنروں کے علاوہ پرمانند بھی وہاں پہنچ چکا تھا پولیس نے سڑک کے اس حصہ کا محاصرہ کر لیا جس سے لوگوں کی آمدورفت بند ہو گئی تھی آن کی آن میں یہ خبر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ہر محلے اور ہر بازار سے لوگ موقع واردات کی طرف آنے شروع ہو گئے اعلیٰ حکام نے حفظِ ماتقدم کے طور پر چوراہوں، دروازوں اور اہم مقامات پر پولیس کے پہرے متعین کر دیئے۔

راج پال کی نعش کو چارپائی پر رکھ کر دکان سے باہر بازار میں رکھا گیا۔ ایک فوٹوگرافر نے نعش کا فوٹو بنایا۔ اس کے بعد نعش کو موٹر میں رکھ کر پوسٹ مارٹم کے لئے واپس چوکی پہنچا یا گیا انسپکٹر پولیس جواہر لال بھی وہاں آگیا اور پھر علم الدین کی شلوار اور قمیض خوش حال چند کے سامنے اتروائی، جو قلعہ گوجر سنگھ میں دکان کرتا تھا۔

جواہر لال نے کپڑوں کو پارسل بنا کر مہریں لگائیں۔ کپڑوں کا خون آلود حصہ کاٹ لیا گیا تھا۔ پھر ایک فرد ضبطی بنایا گیا جس پر خوش حال چند کے دستخط کرائے۔

اُدھر راج پال کی نعش میو ہسپتال میں پڑی تھی۔ ڈاکٹر ڈارسن نے لاش کا پوسٹ مارٹم کیا۔ نعش کی شناخت ڈاکٹر گردھاری لال نے کی جو مقتول کو جانتا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق راج پال کی انگلیوں، سر، چھاتی اور پٹھوں پر زخم آئے تھے اور کلیجہ مجروح تھا۔ کلیجہ کے قریب پسلی ٹوٹی ہوئی تھی۔ چھاتی کے بائیں طرف کا زخم ایک انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا تھا اس کی گہرائی ۷ انچ تھی۔ چوتھی پسلی کٹ گئی تھی اور بائیں پٹھے پر سخت زخم تھا۔ ڈاکٹر نے تقریباً ایک درجن ضربات کی نشاندہی کی اور رپورٹ میں لکھا کہ موت اس ضرب کی وجہ سے ہوئی ہے جو کلیجہ میں لگی اور ایسی ضرب کسی تیز نوک دار ہتھیار سے ہی لگ سکتی ہے۔

ادھر راج پال کے قتل اور علم الدین کی گرفتاری کی خبر جب ان کے گھر پہنچی تو سب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ طالع مند اور محمد دین اس وقت گھر سے باہر تھے۔ ان کے گھر عورتوں کا ہجوم لگ گیا۔ طالع مند کشمیری بازار میں ہی تھے کہ کسی نے انہیں یہ خبر سنائی۔ وہ اُسی وقت گھر کی طرف بھاگے۔ دروازے کے باہر سینکڑوں لوگ کھڑے دیکھے۔ وہ ہجوم کو چیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو وہاں بھی عورتوں کی بھیڑ لگی

دیکھی۔ اس دوران محمد دین بھی گھر پہنچ چکے تھے۔ کچھ دیر بعد ہی پولیس کی ایک پارٹی وہاں پہنچ گئی۔ پولیس کو دیکھتے ہی لوگ اِدھر اُدھر بھاگ نکلے پولیس افسر نے چند جوانوں کی دروازے پر ڈیوٹی لگائی اور خود اندر گیا اور طالع مند کو بلایا اور راج پال کے قتل اور علم دین کی گرفتاری کے متعلق بتاتے ہوئے ہدایت کی کہ گھر سے باہر کوئی بھی نہ نکلے کیونکہ راج پال کے قتل سے حالات بہت خراب ہو چکے ہیں اور ان سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں طالع مند حیران و پریشان پولیس افسر کو دیکھے جا رہے تھے۔ ان کی سمجھ نہیں آ رہا تھا پولیس افسر نے گھر میں موجود محلے کی عورتوں کو بھی باہر نکال دیا اور طالع مند کو اندر سے دروازہ بند کرنے کا کہہ کر خود باہر نکل گیا۔ پوری گلی میں پولیس کے جوانوں کے سوا اب کوئی نہیں تھا۔

اُدھر شیدا جب گھر سے باہر نکلا تو مسجد وزیر خان کے قریب ہی اسے ایک دوست نے علم الدین کی گرفتاری اور راج پال کے قتل کی خبر سنائی تو وہ دوڑتا ہوا علم الدین کے گھر پہنچا لیکن وہاں پر تعینات پولیس کے جوانوں نے اُسے آگے نہ جانے دیا۔

غروبِ آفتاب کے وقت راج پال کی نعش کا پوسٹ مارٹم تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر ڈاہی کی زبانی جب اخباری رپورٹروں کو مقتول کو لگنے والی ضربات کا علم ہوا تو انہوں نے رپورٹیں تیار کیں اور کچھ ہی دیر بعد اخبارات نے ضمیمے شائع کر کے اعلان کر دیا کہ اتوار کی صبح کو ارتھی کا جلوس نکالا جائے گا۔ رات گئے تک اخبارات کے ضمیمے بازاروں میں فروخت ہوتے رہے۔ پولیس کے جوان رات بھر بڑے بڑے بازاروں میں گشت کرتے رہے۔

اگلے روز ے اپریل کو پورے شہر میں پولیس کی بھاری جمعیت نظر آ رہی تھی سڑکوں' چوراہوں اور بڑے بڑے بازاروں میں پہرے لگے ہوئے تھے۔ گھوڑوں اور سائیکلوں پر پولیس کے جوان گشت کر رہے تھے۔

روزنامہ "زمیندار" کے دفتر کے سامنے میونسپل کمیٹی کے باغ میں اعلان ہوا کہ حدود بلدیہ لاہور کے اندر بغیر اجازت حاصل کئے نہ تو کوئی جلسہ کیا جائے اور نہ ہی جلوس نکالا جائے۔ اس روز کانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام قومی ہفتے کے سلسلے میں جو جلوس نکلنے والا تھا وہ بھی نہ نکل سکا۔

اُدھر ہسپتال کے باہر صبح ہی سے کئی ہزار ہندوؤں کا ہجوم سڑک پر جمع ہو گیا تھا۔ اس ہجوم میں اکثریت آریہ سماجیوں کی تھی۔ یہ لوگ ہندو دھرم کی جے' ویدک دھرم کی جے کے نعرے لگا رہے تھے اور بھجن گا رہے تھے۔

پنڈت ٹھاکر وٹ شرما (اُمرت دھارا) رائے بہادر بدری داس' پرمانند نے ایک وفد ترتیب دیا۔ جو ڈپٹی کمشنر سے ملا اور استدعا کی کہ ہجوم کو ارتھی کا جلوس شہر کے اندر ہندوؤں کے محلوں میں سے لے کر جانے کی اجازت دی جائے۔ اس دوران جب وفد کو معلوم ہوا کہ ہسپتال والے نعش ان کے حوالے

نہیں کر رہے تو پنڈت ٹھاکر وٹ شرما نے باہر آکر ہجوم سے مخاطب ہوتے ہوئے اعلان کیا کہ ہسپتال والے نعش ان کے حوالے نہیں کر رہے ہیں تو ہجوم بے قابو ہو گیا اور انہوں نے اُسی اَرتھی کو اُٹھا کر جلوس مرتب کر لیا جو وہ نعش اٹھانے کے لئے لائے تھے۔

ڈپٹی کمشنر نے اس خالی اَرتھی کے جلوس کو لے جانے کی اجازت بھی نہ دی تو ٹھاکر وٹ نے دیوار پر کھڑے ہو کر ہجوم کو ڈپٹی کمشنر کے ارادے سے مطلع کیا مگر ہجوم نے اس کی بات نہ سُنی اور طرح طرح کے آوازے کسے۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا کہ ہجوم منتشر ہو جائے جس سے بہت سے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور چند سو باقی رہ گئے۔ ان لوگوں نے اَرتھی اُٹھا کر آگے کی راہ لینی چاہی لیکن پولیس پھر حائل ہوئی۔

ڈاکٹر خان سیتہ پال نے مجسٹریٹ سے کہا کہ میں ان لوگوں کو بٹھا دوں گا آپ ذرا تحمل سے کام لیں۔ چنانچہ ڈاکٹر نے ہجوم کو بٹھا دیا۔ اتنے میں حکام میں سے کسی نے ہجوم کو منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ جس کی تعمیل میں پولیس نے پوری قوت کے ساتھ لٹھ چلائے اور اَرتھی چھین لی۔

ڈاکٹر خان سیتہ پال نے کوشش کی کہ حکام اور ہجوم کے درمیان کوئی راہ مفاہمت کی نکل آئے مگر کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ پولیس نے دوبارہ لٹھ برسائے اور اس مرتبہ تو وہ لٹھم لٹھا ہوئی کہ توبہ ہی بھلی............ ۸۰ آدمی زخمی ہوئے۔ جن میں سے بعض کو شدید زخم آئے۔ کسی کی ٹانگ ٹوٹی کسی کا سر پھوڑا گیا۔ کسی کا ہاتھ زخمی ہوا۔ ڈاکٹر خان چند دیو، پنڈت ٹھاکر دٹ شرما، پرمانند، روزنامہ ''بندے ماترم'' کے ایڈیٹر اور مینجر بھی زخمی ہو گئے۔

پولیس حکام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ حالات پر کیسے قابو پائیں، کیونکہ ہندوؤں نے جلسے جلوس شروع کر رکھے تھے۔ ایک طرف عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علم الدین کے دیدار کے لئے دن رات پولیس اسٹیشن کے چکر لگا رہے تھے۔

دوسری طرف علم الدین کے عزیز و اقارب کے تحفظ کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی تھی۔ گذشتہ دو روز سے پولیس افسران ایک لمحے کو بھی آرام نہ کر سکے تھے۔

پولیس کے مسلح جوانوں کا ایک گروپ کوچہ چابک سواراں میں گشت کر رہا تھا کہ کہیں ہندوؤں کا کوئی جلوس اُس طرف نہ آ نکلے۔ حالات کی سنگینی کا یہ عالم تھا کہ طالع مند اپنے مکان کے بالائی حصہ سے اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرتے تھے۔ لالٹین ایک رسی سے باندھ کر نیچے کی اور ایک جوان نے اس میں تیل بھر دیا اور اس طریقے سے وہ اشیائے ضرورت حاصل کر رہے تھے۔ کیونکہ پولیس آفیسر نے ان کا گھر سے نکلنا بند کر رکھا تھا۔

علم الدین کی گرفتاری سے شیدے کا حال بھی بُرا ہو گیا تھا۔ وہ کبھی کوچہ چابک سواراں میں آتا اور کبھی پولیس اسٹیشن کی طرف چل پڑتا۔ لیکن پولیس نے نہ تو اسے علم الدین سے ملاقات کرنے دی اور نہ ہی وہ ان کے گھر جا سکا۔ وہ دن بھر ان کے مکان کے سامنے کھڑا رہتا اور جب بھی طالع مند کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو وہ فوری طور پر لے آتا۔ اس دوران ایک بار تو وہ پولیس کے جوانوں کے تشدّد کا نشانہ بھی بنا.......... لیکن پھر بھی اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد وہ واپس گھر چلا جاتا اور منہ اندھیرے واپس آجاتا۔

طالع منداس حقیقت سے آگاہ تھے کہ شیدے نے ان کی خاطر پولیس تشدد ہی برداشت نہیں کیا بلکہ وہ جان ہتھیلی پر رکھے ہروقت ان کے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ انہیں بھی شیدے کی علم الدین کے ساتھ دوستی اور اس کے خلوص سے آگاہی ہو چکی تھی اور وہ اپنے آپ کو شیدے اور علم الدین کی دوستی کو مشکوک نظروں سے دیکھنے پر پچھتا رہے تھے۔ لیکن شیدا ان سب باتوں سے بے خبر تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ آمین صاحب نے طالع مند کو کبھی یہ کہا تھا کہ علم الدین اور اس کی سنگت ختم کرا دیں۔ شیدا اپنے طور پر مطمئن تھا۔ اس کے دل و دماغ میں صرف ایک ہی بات سمائی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اگر اس مقدس فرض کیلئے علم الدین کو منتخب کر لیا تھا تو ممکن ہے ان کے ذمے صرف یہی کام لگا ہو کہ وہ علم الدین کی عدم موجودگی میں اس کے والدین کے دُکھ درد بانٹ سکیں۔ شیدے کے والدین بھی شیدے کے اس عمل سے باخبر ہو چکے تھے اور وہ بھی اپنے طور پر مطمئن تھے۔ شیدا جب رات گئے گھر واپس آتا تو سبھی اس کے گرد جمع ہو جاتے اور دن بھر کے حالات اس سے پوچھتے اور شیدا بھی انہیں مختصراً بتا دیتا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی چمک نجانے کہاں سے آگئی تھی۔ گاہے بگاہے وہ پولیس اسٹیشن بھی چلا جاتا لیکن وہاں اس کی ملاقات علم الدین سے نہیں ہو پاتی تھی۔ کیونکہ انتظامیہ نے علم الدین سے ملاقاتیوں کی پابندی لگا رکھی تھی اور وہ اس قدر چوکس تھے کہ کوئی شخص بھی ان کی نظروں کو دھوکہ دے کر علم الدین تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایک روز شیدے کی والدہ نے یونہی باتوں باتوں میں شیدے سے کہہ ہی دیا کہ تیرا یوں روز روز اُدھر جانا تمہیں کہیں کسی مصیبت میں ڈال دے گا۔ لیکن شیدے نے صرف اتنا جواب دیا کہ اگر ایسے میں میری جان ہی جانی ہے تو دعا کریں وہ وقت جلد آئے۔ کہ میں بھی اپنے دوست کی طرح سرخرو ہو سکوں۔ اس کی نظروں میں ہروقت علم الدین کا چہرہ گھومتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اسے پرچیاں ڈالنے کا خیال آتا تو اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے۔ اب اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ کوئی ہمراز نہیں تھا۔ جسے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا۔ ایک روز شیدے نے اپنے والد کو بتا ہی دیا کہ اس کے اور علم الدین کے درمیان کس طرح پرچیاں پڑی تھیں اور قرعہ فال کس طرح علم الدین کے نام نکلا تھا تو ان کے والد نے شیدے کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا بیٹا ایسی منزل کا راہی بن جائے گا۔ وہ تو اسے یونہی دوسرے

لڑکوں کی طرح گھومنے پھرنے کا عادی ہی سمجھے بیٹھے تھے۔ لیکن آج ان کی آنکھیں کھُل گئی تھیں۔ وہ علم الدین اور شیدے کی دوستی، خلوص اور جاں نثاری کے جذبے سے لاعلم تھے۔ وہی شیدا جو کچھ عرصہ قبل ان کی نظروں کو چُبھتا ہوا محسوس ہوتا تھا آج ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔ اور اب تو وہ منہ اندھیرے ہی شیدے کو طالع مند کے گھر بھیج دیتے اور دن میں ایک دو بار خود بھی اُدھر کا چکر لگا لیتے۔ پولیس ابھی تک طالع مند کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ کیونکہ ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں محلوں اور گلیوں میں گشت کرتی تھیں اور پولیس نہیں چاہتی تھی کہ حالات مزید خراب ہوں اور طالع مند کی حفاظت کرنا بھی تو ان کی قانونی ذمہ داری تھی۔ چند دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور شیدا حسبِ معمول اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔

اخبارات میں کوٹلی کے اجلاس کی خبر چھپنے کی دیر تھی کہ آزاد کشمیر کے دوسرے علاقوں میں بھی راجپال کے خلاف قراردادیں پاس ہونے لگیں۔ نکمیال (فتح پور) تتہ پانی، کھوئی رٹہ ہجیرہ، عباس پور، راولا کوٹ، مظفر آباد، بھمبر، میں پاس ہونے والی قراردادوں میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ غازی علم الدین کو بری کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے حُرمتِ رسُولؐ کی خاطر راجپال کو جہنم واصل کیا ہے۔ اخبارات میں چھپنے والی ان خبروں نے برصغیر کے مسلمانوں کے اندر ایسا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا کہ ہر مقام پر یہ سلسلہ چل نکلا۔ لیکن حکمران تو جیسے اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ غازی علم الدین کو تختہ دار تک پہنچا کر ہی دم لیں گے۔ جہاں جہاں بھی مسلمان تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے تاریخی ورثے اور جذبات و احساسات کا تمسخر ایک طویل عرصہ سے اڑایا جا رہا ہے ہر مرتبہ اہلِ ایمان کی عقیدت کو آزمائش میں ڈالا گیا۔

ایک آریہ سماجی لیڈر نے "ستیارتھ پرکاش" جیسی بدنام کتاب لکھنے کا ارتکاب کیا۔ اس کتاب کے چودھویں باب میں قرآنی آیات "نظریہ توحید" اکابرین ملّتِ اسلامیہ اور محُسنِ انسانیتؐ کی سیرت طیبہ کا مضحکہ اڑایا گیا۔ اس اشتعال انگیز تحریک کا بانی ایک ہندو منشی رام تھا۔ جو کچھ عرصہ پنجاب پولیس میں ملازم رہا، وکیل بنا اور پھر ترکِ دُنیا کا ڈھونگ رچا کر گیان دھیان کی نام نہاد زندگی گزارنے لگا تھا اور یوں اسے سوامی شردھانند کا خطاب مل گیا۔ مذہبی پیشوا کا خطاب ملنے کے بعد وہ یو۔ پی چلا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں شُدھی جیسی پُرفتن تحریک کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اپنا مرکز دہلی بنا لیا اور مذہبی دلآزاری پر مبنی شرانگیز لٹریچر شائع کرنے لگا۔ اسے بعد میں قاضی عبدالرشید شہیدؒ ایک مسلم مجاہد نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنے نام کو زندگی جاوید عطا کر گیا۔ سوامی شردھانند کا دوست رشی دیانند بھی مسلم دشمنی میں پیچھے نہ تھا۔ ۱۹۲۳ء میں ایک اور کتاب طباعت کے مراحل سے گزری تو پھر طوفان برپا ہو گیا۔ مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے والے قانون کے لئے چیلنج نہ بن سکے۔ کیونکہ سرکار بھی نہیں چاہتی تھی کہ برصغیر میں مسلمان ایک قوت بن کر سامنے آئیں۔

بمبئی میں ایک ماہوار رسالہ "گجرات" میں اس کے ایڈیٹر کنہیا لال منشی نے اداریئے میں لکھا۔

"اگر محمدؐ کی نسبت ڈرامہ تحریر کیاجائے توجو تھیٹراسے سٹیج پر کرے گا اس کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ کیونکہ اس کو اتنی لڑکیاں نہیں مل سکیں گی جوازواجِ مُطہرات محمدؐ کا پارٹ ادا کر سکیں۔"

ایسی بیہودہ تحریریں پڑھ کر مسلمان مشتعل ہوگئے اور ہر مقام سے احتجاج کیا گیالیکن قانون نافذ کرنے والے اداروں نے مسلمانوں کو دبانے کی خاطر ہی اپنے فرائض انجام دیئے۔

اگر عدالت میں راجپال کو سخت سزادی جاتی تونوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ جب کیس کی سماعت جاری تھی تومسٹر سی۔ ایچ۔ ڈزنی مجسٹریٹ درجہ اول نے بڑی تندہی سے دونوں فریقوں کے بیانات سُنے۔ لیکن اس قدر طویل سماعت کے باوجود ۱۹۲۴ء میں راجپال کو محض چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزاءسنائی گئی اور راجپال نے اس فیصلہ کے خلاف بھی سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ جس کی سماعت کرنل ایف بی نکولس نے کی۔ اگرچہ اس عدالت نے بھی راجپال کو مجرم قرار دے دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود سزاء میں تخفیف کر دی گئی۔ راجپال نے نگرانی کی درخواست ہائی کورٹ میں دی۔ جس کی سماعت کنور دلیپ سنگھ مسیح کی عدالت میں ہوئی۔ ان دنوں پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس سر شادی لال تھا۔ اس کے راجپال سے مراسم بھی تھے۔ یُوں اس کی سفارش پر راجپال کو بری کر دیا۔ مسلمانوں کو دلیپ سنگھ کے اس فیصلے نے مشتعل کر دیا تھا۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ "کتاب کی عبارتیں کیسی ہی ناخوشگوار ہوں بہرحال کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کر رہیں" بلکہ یہاں تک ہوا کہ دلیپ سنگھ کے خلاف بھی تحریک چل نکلی۔ مسلمان اس کی فوری برطرفی کامطالبہ کر رہے تھے۔ جب کہ انگریزی روزنامہ کے معزز معاصر مسلم کرانیکل نے اس فیصلے کے خلاف ایک تنقیدی مضمون میں یہاں تک لکھ دیا کہ "جج کنور دلیپ سنگھ نے قانون کی غلط تشریح کی ہے۔ ورنہ قانون میں اس امر کی واضح اور کافی گنجائش ہے کہ وہ راجپال جیسے دریدہ ذہن اور بے غیرت ملیچھ کا محاسبہ کرے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر مذہبی دل آزاری کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ دنیا کا ہر مسلمان اور برِّصغیر کا ہر مسلمان بالخصوص کبیدہ خاطر ہے۔ حبیب کبریاؐ کی ناموس پر کٹ مرنے کو تیار ہے۔ بلکہ اخبار میں تویہاں تک انتباہ کر دیا گیاکہ اگر عدالت کےاس فیصلے پر نظرثانی نہ کی گئی توکوئی مجاہداس کا سر قلم کر دے گا۔ مسلم آوٹ لُک کے ادارے میں اس تحریر کے چھپنے کے بعد مسلم آوٹ لُک پر توہین عدالت کامقدمہ دائر ہوا۔ اوریوں چیف ایڈیٹر سید دلاور شاہ اور اخبار کے مالک مولوی نورالحق کو دو دو ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنادی گئی۔ اس فیصلے کے خلاف بھی احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد ہوئےاُدھر اخبارات نے اپنے اپنے اداریوں اور بیانات میں اس کا تذکرہ برابر جاری رکھاہواتھا۔ شاہی مسجد میں ایک بڑااجتماع ہوا۔ جس میں مولانا محمد علی جوہر نے بھی خطاب

فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ "میں کوئی وکیل یا بیرسٹر نہیں۔ قانون میں جو کچھ سیکھا ہے وہ بار بار مُلزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر سیکھا ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے آئندہ فتنے کے سدباب کے لئے اس قانون کو ہی بدلوا ڈالیئے اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہین بانیان مذاہب کو جُرم قرار دیجئے۔ اب تک ایسی کوئی مستقل سزا آپ کے مُلکی قانون میں نہیں۔ جو رعایا کے فرقوں کی دل آزاری پر دی جا سکے۔ بعض عدالتیں جو سزا دیتی ہیں۔ وہ محض حاکم کی رائے کا درجہ رکھتی ہیں۔ مستقل قانون کا نہیں۔ دفعہ کا مسودہ میں تیار کئے دیتا ہوں۔ اسمبلی کے کوئی ممبر اس میں مناسب لفظی ترمیم کر کے اسے ایوان میں پیش کریں اور منظور کرائیں۔ آقا و ہادیؐ اور ان کے ساتھ تمام دوسرے مذہبوں کی محترم بانیوں کی شخصیتیں بھی بد زبانی اور بے لگام لکھنے والوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گی۔ علمی رنگ میں کسی مذہب پر یا تاریخی حیثیت سے مذہب کے بانی پر تنقید کرنا بالکل دوسری شے ہے۔ اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہئے۔ لیکن جو کھُلی توہین کسی بھی مذہب کے بارے میں ہو۔ آج سے اسے ہندوستان کے قانون میں قطعی جُرم قرار دیا جانا چاہئے۔

مولانا محمد علی جوہر کے جوشِ خطابت نے لوگوں کے دل پر اتنا گہرا اثر کیا۔ کہ جب وہ شاہی مسجد سے نکلے تو آنکھوں میں سُرخی نمایاں نظر آ رہی تھی۔

انہی دنوں کابل کے مشہور اخبار "امان افغان" نے بھی "رنگیلا رسول" کے عنوان سے ایک نہایت رقت آمیز اور سبق آموز اداریہ لکھا۔ جس میں گستاخِ رسالت کی سرزنش اور انگریز عمل داری پر سخت تنقید کی گئی۔ مسلم اکابرین کے ایک وفد نے گورنر سے ملاقات کی۔ اور انھیں عدالت کے اس غیر منصفانہ فیصلے سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس سے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ گورنر نے اس ملاقات میں وعدہ کیا۔ کہ وہ اس کی چھان بین کرائیں گے۔ اور اگر کوئی بات سامنے آئی تو وہ سخت سے سخت کارروائی کریں گے۔ اس واقعہ سے ہندو لیڈروں کی مسلم دشمنی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ انہوں نے گورنر کے اس رویئے کے خلاف وائسرائے ہند کو احتجاجی تار ارسال کئے اور مسلمانوں کے وفد سے گورنر کی بات چیت کو توہینِ عدالت قرار دیتے ہوئے عدالت عالیہ کے فیصلے کی حمایت کی۔ اسی طرح ہندو مت میں مہاتما گاندھی ایک واحد فرد تھا کہ جس نے آریہ سماج کی معاندانہ روش کی مذمت کی۔ اور ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کو "ینگ انڈیا" میں "رنگیلا رسول" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون شائع کیا۔ جب کہ اس سے پہلے ۱۹ جون ۱۹۲۴ء کو اسی اخبار میں ستیارتھ پرکاش مارشی دیانند اور سوامی شردھانند پر تنقید کی تھی۔

جج کے اس فیصلہ کے خلاف جلسوں اور جلوسوں کا سلسلہ جاری تھا۔ جب کہ مسلم اخبارات بھی اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار "ہمدرد" دہلی میں لکھا۔

"حکومت نے آرڈی نینس کے بل بوتے پر قانون کی تشکیل کا جو اختیار لے رکھا ہے اس کا ناجائز

استعمال تو اکثر ہوتا رہتا ہے حکومت کو چاہئے کہ کم از کم ایک مرتبہ ہی اس کا جائز استعمال کر دکھائے اور حالات میں مزید خرابی پیدا ہونے سے پہلے فوری طور پر قانونی سقم کو دُور کر دے"

جج کے اس فیصلے سے مسلمانِ ہند تقاضائے انصاف سے مایوس ہو چکے تھے۔ اور یُوں احتجاج کرنے کی خاطر سب سے بڑا معرکہ خیز جلسہ ۴ جولائی ۱۹۲۷ء درگاہ حضرت شاہ محمد غوث بیرون دہلی دروازہ لاہور کے پاس ہوا۔ جلسے کا انعقاد اور منادی کرنے کے سلسلے میں مہر علم الدین، محمد شفیع اور خواجہ غلام محمد نے نمایاں کردار ادا کیا۔ دوسری طرف جلسے کو ناکام کرنے کی کوشش جاری تھی۔ متعدد افسر بھی باغ میں پہنچ گئے۔ کیونکہ وہ قبل از وقت ہی دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان کر چکے تھے۔

ان حالات میں مسلمانوں کے درمیان اضطراب کے جذبات پیدا ہو گئے۔ جب کہ ضلعی خلافت کمیٹی فیصلہ کر چکی تھی کہ جلسہ ہو گا اور ہر صورت ہو گا۔ فرزندانِ توحید نے دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے کے لئے اپنے نام لکھوانے شروع کر دیئے۔ اور پھر پنجاب خلافت کمیٹی کے دفتر میں قرار پایا کہ شاہ محمد غوث کی درگاہ کے بالمقابل احاطہ شیخ عبدالرحیم میں جلسہ قرار پائے۔ اور یُوں احاطہ عاشقانِ رسولؐ سے کھچا کھچ بھر گیا۔ جلسے میں مفتی کفایت اللہ، مولانا ظفر علی خان، غازی عبدالرحمان، مولانا سعید دہلوی، سر عبدالقادر اور ان کے علاوہ متعدد زعمائے کرام بھی شریک تھے۔ چوہدری افضل حق رکن کونسل لدھیانہ صدرِ جلسہ قرار پائے۔ چوہدری افضل حق نے افتتاحی تقریر میں مقامی حکام کو اس شدید غلطی کا باوضاحت تذکرہ کیا۔ "کہ ایک جج نے تو قانون کو مذہب سے ٹکرا دیا تھا۔ لیکن مسٹر اوگلوی نے ناعاقبت اندیشی سے سیاست کا مذہب سے تصادم کرا دیا ہے۔ یہ وہ شدید غلطی ہے جس پر حکام کو پریشان ہونا پڑے گا۔"
اس کے بعد مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے مختصراً جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلے پر نکتہ چینی کی۔ اور پھر امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک رقت انگیز تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا۔

"آج کوئی روحانیت کی آنکھ سے دیکھنے والا ہو تو دیکھ سکتا ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ اور ان کی ازواجِ مطہرات ہم مسلمانوں کی مائیں لاہور کے مسلمانوں سے فریاد کر رہی کہ تمہارے شہر میں ہماری بے حُرمتی کی جا رہی ہے۔ ہمیں کھُلے بندوں گالیاں دی جاتی ہیں اگر کچھ پاسِ رسالتؐ ہے۔ تو ناموسِ رسالت کی حفاظت کرو۔"

اس دوران حکام کی مداخلت اور فدایانِ رسولؐ کو زدوکوب کئے جانے کی وجہ سے تقریر روک دینا پڑی۔ جلسہ عام میں تیس ہزار سے زائد عاشقانِ رسول موجود تھے۔ رات نو بجے کے قریب باقاعدہ جلسے کا آغاز ہوا۔ جس کا افتتاح خواجہ عبدالرحیم عاجز امرتسری نے ایک ولولہ انگیز پنجابی نظم سے کیا۔ اس کے بعد اختر علی خان نے نظم پڑھی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطبہ مسنونہ کے بعد سورۃ لقمان کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"آج ہم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ خداوند کریم ہمیں توفیق دے۔ اس کے بعد مولانا نے حضور سرور کائنات صلعم کی شان میں ایک نعتیہ بند اس انداز سے پڑھا کہ جلسہ عام میں موجود عاشقان رسول کے دل گداز ہو گئے۔ اور لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آپ نے کہا۔

آج مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مرتضیٰ حسن، مولانا احمد سعید دہلوی اور مفتی کفایت اللہ یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان کے دروازے پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ڈیپوٹیشن (قرارداد) لے کر گئیں اور فرمایا۔ ہم امہات المومنین ہیں۔ تمہاری اور سب مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ آج ہمیں بازاروں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ کیا تمہاری غیرت جوش میں نہیں آتی؟ مسلمانو! تمہارے دروازے پر بی بی عائشہؓ دستک دے رہی ہیں۔ اُٹھو گناہ بخشوانے کا وقت آج ہی ہے۔ آج بڑے بڑے بیرسٹر کام نہیں آسکتے۔ آج نامی گرامی لیڈر کام نہیں آسکتے۔ آج یہی ڈاڑھی منڈھے کام آئیں گے۔ جو یہاں بیٹھے ہیں۔ آپ دوستوں کی محبت میں کٹ مرتے ہیں۔ آج سبز گنبد کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تڑپ رہے ہیں۔ ان کی ازواجِ مطہرات یعنی ہماری ماؤں کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ کیا ہمارا ایمان اس قدر کمزور ہے کہ بازاری عورتوں اور معشوقوں کے لئے تو مر مٹیں، مگر عائشہؓ اور خدیجہؓ کی عزت پر حملہ ہو تو ہم یوں ہی خاموش بیٹھے رہیں۔ اگر آج ہم ان کی عزت کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اس سے بہتر ہے کہ ہم پلیگ، ہیضہ یا کسی وبا کا شکار ہو جائیں۔

آج گورنمنٹ نے ہمارا جلسہ روکنے کے لئے پامال زمین پر قبضہ تو کر لیا۔ لیکن وہ دلیپ سنگھ کے قلم پر قابض نہ ہو سکی۔ ملاپ اور پرتاب کے ایڈیٹروں کو بس میں نہ کر سکی۔ ہم نے تین سال تک صبر کیا۔ لیکن ہندو اسے سمجھ نہ سکے۔ وہ یاد رکھیں جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے ناموسِ رسالت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی ہے۔ حکومت کوڑھی ہے۔ اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کے سنڈے ایڈیشنوں کی ہرزہ سرائی کو تو نہیں روک سکتا۔ لیکن علمائے کرام کی تقریریں روک دیتا ہے۔ میں دفعہ ۱۴۴ کو جوتے کے نیچے مسل کر بتادوں گا۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا "وقت آگیا ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے پرخچے یہیں اڑا دیئے جائیں۔ بیس بیس مسلمانوں کے دستے ممنوعہ جلسہ گاہ میں جائیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام پر جو مصیبت بھی پیش آئے قبول کریں۔ اپنی زندگیاں حرمتِ رسولؐ پر نثار کر دیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ نے لوگوں کو ہنٹر مارے ہیں۔ یہ کیسی بزدلی

ہے۔ جو شخص اس قدر بزدل ہو۔ وہ شہر کا انتظام کس طرح چلا سکتا ہے۔

رات گئے جب اس جلسے کا اختتام ہوا تو سننے والوں نے سنا اور دیکھنے والوں نے دیکھا۔ دفعہ ۱۴۴ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھری نظر آتی تھیں اور اس کے ساتھ ہی شاتم رسول کی زندگی کے دن پورے ہو رہے تھے۔

جلسے کے چند دن بعد شاہ صاحب' غازی عبدالرحمان اور مولانا حبیب الرحمان گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر نقص امن عامہ کے تحت مقدمہ دائر ہوا۔ بعدازاں امرتسر سے رضا کار ٹولیوں کی صورت میں لاہور آتے رہے۔ اور گرفتاریاں ہوتی رہیں۔ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی بناء پر ان دنوں "ورتمان" کے ایڈیٹر کے خلاف بھی دفعہ ۱۵۳۔ الف کے تحت مقدمہ چل رہا تھا۔ حکومت کی دلچسپی پر اس مرتبہ یہ مقدمہ مجسٹریٹ کی عدالت سے منتقل ہو کر ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے سپرد ہوا۔ جس کے صدر جسٹس براڈوے تھے۔ ڈویژن بنچ نے کنور دلیپ سنگھ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے متفقہ فیصلے میں لکھا۔

"دفعہ ۱۵۳ الف ایسے لٹریچر پر حاوی ہے جو فرقہ وارانہ فساد پھیلائے یا مذہبی دل آزاری کا سبب بنے" اس مقدمہ کا مجرم تو اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ بعد میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی تحریک اور مرکزی اسمبلی کے مسلمان ارکان کی تائید سے گستاخ اہلِ قلم کے احتساب کی خاطر ضابطہ تعزیرات ہند میں دفعہ ۲۹۵ الف کا اضافہ بھی ہو گیا۔ لیکن شاتم رسول راجپال بری ہو چکا تھا اور قانون کی اس متلون مزاجی پر ہنس رہا تھا۔

راجپال نے ہائی کورٹ سے بری ہونے کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ وہ اس کتاب کو شائع نہیں کرے گا۔ لیکن اس دوران یہ کتاب دوبارہ بنارس سے شائع ہوئی۔ حقیقت میں اب کی بار بھی اس کی اشاعت میں پس پردہ کردار راجپال ہی نے ادا کیا تھا۔

ان ہی دنوں انجمن خدام الدین نے شیرانوالہ دروازہ میں راجپال کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔

۲۴۔ ستمبر ۱۹۲۷ء کی صبح راجپال حسبِ معمول اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا کہ خدا بخش اکو جھا نے اپنے تیز دھار چاقو سے اس پر حملہ کر دیا۔ جس سے راجپال کو چار زخم آئے جن میں ایک خاصا گہرا زخم تھا۔ لیکن یہ زخم بھی اسے جہنم واصل نہ کر سکا۔

غازی خدا بخش اکو جھا اندرون کی گیٹ لاہور کا رہنے والا تھا۔ اکو جھا کے والد محمد اکبر کا معروف کشمیری خاندان سے تعلق تھا. اور پیشے کے لحاظ سے شیر فروش تھے۔ اس کے علاوہ جلد سازی کا کام بھی کرتے تھے۔ اسی ہفتے جمعہ کے دن مسجد میں ناموسِ رسالت کے موضوع پر تقریر سن کر غازی خدا بخش کا دل راجپال کو قتل کر دینے کے لئے بے قرار رہنے لگا تھا۔ مگر بدقسمتی سے انھیں موقعہ تو ملا۔ لیکن وہ ناکام رہے اور راجپال کی جان بچ گئی۔

غازی خدا بخش اکو جہاکو راجپال پر قاتلانہ حملہ کے جُرم میں جب گرفتار کیا گیا۔ اس وقت وہ تُرکی ٹوپی، کُھلا کوٹ، بنگالی قمیض اور علی گڑھ فیشن کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔ جب کہ مجروح راجپال چالیس کے قریب تھا۔ واردات کے دوسرے دن ہی سی ایم بی او گلوی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیراتِ ہند مقدمے کی سماعت شروع ہو گئی۔ رائے صاحب مہتہ ایشرداس کورٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ استغاثے کی طرف سے پیروکار تھے۔ لیکن غازی خدا بخش کی طرف سے کوئی وکیل حاضر عدالت نہ ہوا تھا۔ چشم دید اور رسمی گواہوں کی شہادتیں قلم بند ہوئیں۔ جس کے بعد مضروب راجپال ولد رام داس نے اپنے بیان میں کہا۔

"سوموار ساڑھے آٹھ بجے صبح کا واقعہ ہے میں دکان کے اندر کام کر رہا تھا باہر میرے ملازم نے آواز دی کہ سوامی جی بلا رہے ہیں۔ میں باہر نکل آیا اور اپنے دوست کے ساتھ گفتگو میں محو ہو گیا۔ کہ مُلزم نے اچانک میرے قریب آ کر میری چھاتی پر چاقو سے حملہ کیا۔ جب اس نے چاقو مارا تو میں پیچھے تھا۔ مجھے چاقو لگا اور خون جاری ہو گیا۔ ملزم نے مجھے دھکیل کر اندر کر دیا۔ جس وقت میں دوسرے حصہ دکان میں پہنچا تو گر گیا اور مُلزم میرے اُوپر چڑھ گیا میں اپنی چھاتی کو چاقو کے حملے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سوامی شونترانند کے پہنچنے سے پہلے ملزم نے مجھ پر چھ زخم لگائے' مضروب راجپال نے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا "میری رائے میں مجھ پر حملہ کتاب "رنگیلا رسول" کی اشاعت اور مسلمانوں کی ایجی ٹیشن کا نتیجہ ہے۔ میں نے کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب سے متعلق مجھے مقدمہ میں سزا ہوئی تھی۔ اور بعد ازاں ہائی کورٹ سے بری کر دیا گیا۔ مجھے مُلزم سے اب بھی خطرہ ہے کہ یہ مجھے مار دے گا۔ حملے کے وقت بھی مُلزم کہے جاتا تھا کہ کافر تو آج میرے ہاتھ آیا ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ "

جب عدالت نے خدا بخش اکو جہا سے دریافت کیا کہ وہ جرح کے طور پر کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو آپ نے بلند آواز میں کہا۔ میں مسلمان ہوں، ناموسِ رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے۔ میں تاجدارِ مدینہ کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ (گواہ) رنگیلا رسول کا لفظ منہ سے نکال رہا ہے۔ میں اس کی زبان بند کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دو دن کی اس مختصر کارروائی کے بعد عدالت نے ملزم کو سات سال قید سخت جس میں تین ماہ کی قید تنہائی بھی شامل تھی، سزا کا حکم سنا دیا۔ اور مجسٹریٹ نے اپنے فیصلے میں مزید لکھا کہ معیادِ قید کے بعد ملزم کو پانچ ہزار روپے کی تین ضمانتیں حفظِ امن زیر دفعہ ۱۰۴ ضابطۂ فوجداری داخل کرنا ہو گی۔ اگر مُجرم ضمانت نہ دے سکا تو اسے ایک سال مزید قید محض بُھگتنا ہو گی۔ اس فیصلے سے ہندوؤں کے خیالات میں تو ٹھہراؤ آ گیا تھا لیکن اہلِ اسلام کے جذبات میں نیا جُوش اور نئی طغیانی عُود کر آئی اور زخم پھر سے ہرے ہونے لگے۔

چند روز بعد ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء کی شام کو ہسپتال روڈ پر ایک بار پھر ہنگامہ ہوا۔ اس بار حملہ آور،

عبدالعزیز نامی ایک غیور مسلمان تھا۔ جو افغانستان سے بغرض تجارت ہندوستان آیا۔ عبدالعزیز کے دل میں بھی گستاخِ رسولؐ کے خلاف غضب و غصے کا طوفان تھا۔ وہ واپس وطن گئے اور جب دوبارہ لاہور پہنچے تو سیدھے اپنے شکار کو تلاش کرنے نکلے۔ اور پھر ایک روز وہ انار کلی بازار میں راجپال کی دکان پر پہنچ گئے۔ اس وقت مہاشہ راجپال کی دکان پر دو شخص بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی باتوں میں بھی مذہب اسلام کی توہین کا عنصر شامل تھا۔ عبدالعزیز نے انہیں منع کیا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ جس سے بات بڑھ گئی اور پھر عبدالعزیز نے راجپال کے دوست سوامی ستیانند کو معروف شاتمِ رسول سمجھا اور اپنا چاقو نکال کر اس پر برس پڑے۔ ستیانند توزخمی ہو گیا۔ عبدالعزیز کو پولیس نے موقع پر ہی گرفتار کر لیا۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو مسٹر او گلوی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں غازی عبدالعزیز کا چالان پیش ہوا۔ استغاثے کی طرف سے مہتہ ایشیر داس کورٹ انسپکٹر پیروکار تھا۔ لیکن مُلزم کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا۔

۱۲ اکتوبر کو مقدمہ دوبارہ عدالت میں پیش ہوا۔ اور سرسری سماعت کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ سوامی ستیانند پر قاتلانہ حملہ کرنے کے جُرم میں اسے سات سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ جس میں تین ماہ قید تنہائی بھی شامل تھی۔ نانک چند اور چونی لال کو مجرُوح کرنے کے اِلزام میں بھی اِسی قدر مزید سزا سنائی گئی۔ معیادِ قید ختم ہونے پر پانچ پانچ ہزار کی تین ضمانتیں دینا لازمی قرار دیں۔ بصورتِ دیگر بعد اَز مُدت اسیری تین سال قید محض کاٹنے کے لئے جیل میں ہی رہنا ضروری قرار دیا۔

پرتاب اور بندے ماترم نے خاص ضمیمے شائع کئے لوک سبھا کے اخبار نے بڑی بڑی خبریں جمائیں۔ ہندو سبھا کے اخبار "ہندوستان ٹائمز" نے اپنے اداریے میں لکھا۔

"مولاناؤں اور مولویوں نے راجپال کو رنگیلا رسول کی قیمت اپنے خون سے ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسلام کے اس قانون پر باقاعدہ عمل کیا گیا۔ جس کی تشریح مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا ظفر علی خان کر رہے تھے۔ ارجن نے لکھا "اس حادثہ سے گورنمنٹ کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور ایسے واقعات آریہ سماجیوں کو اپنے فرائض کی بجا آوری سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔" اس واردات کے فوراً بعد حکومت نے دفعہ ۱۴۴ کے اندر حصولِ اجازتِ خاص کے بغیر دو ماہ کے لئے عام اجتماع پر پابندی عائد کر دی۔

اُدھر پولیس نے علم الدین کو سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ ارتھی کے جلوس پر پولیس کے لاٹھی چارج نے ہندوؤں کو اور بھڑکا دیا تھا۔ سرکردہ ہندوؤں کے گھروں میں اجلاس ہو رہے تھے۔ قرار دادیں پاس ہو رہی تھی۔ دوسری طرف عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

ہندوؤں نے راج پال کی اُرتھی کا جلوس نکالا............جس میں ہندو شریک ہوئے اور پھر اس کی یادگار کے لئے پانچ ہزار روپے چندہ جمع کیا اور اس طریقے سے دل آزار کتابیں لکھنے کی جرائت دلائی

گئی جوایک نہایت کمینہ حرکت تھی۔

اگلے روز کے اخبارات میں آقائے عبدالقادر قصوری کا انٹرویو شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ کتاب (رنگیلا رسول) کی اشاعت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین جو کشمکش ہوگئی تھی وہ فرد ہو چکی ہے۔ اس لئے میں ہندو بھائیوں سے عموماً اور ہندو پریس سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ وہ بھی اسے زیادہ نہ اُچھالیں۔

روزنامہ ''زمیندار'' کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان نے کہا اس خبر نے کہ رسوائے عالم کتاب کے ناشر راج پال کو روز روشن میں ایک جوان نے قتل کر دیا ہے جو اتفاق سے مسلمان تھا۔ ان تمام صحیح الخیال لوگوں کے دلوں کو جذباتِ تاسف سے بھر دیا ہے۔ جن کا مقصدِ وحید ہندوؤں اور مسلمانوں کو رشتۂ اتحاد میں مربوط دیکھنا ہے۔ آج سے دو سال قبل جب راج پال کا یہ مجموعہ ہزل دوشنام شائع ہوا تھا تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کشیدگی سے گزر کر انقطاع کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن اس تنازعہ کا خاتمہ اس نئے قانون نے کر دیا۔ جو پیشوایانِ مذاہب کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو سزا دینے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ قضیہ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا۔ اس کے بعد ملک کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کی جو عالمگیر تحریک شروع ہوئی اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں رشتۂ اتحاد پیدا کیا۔ ۔ دونوں جماعتوں کے رہنماؤں اور خصوصاً اخبارات کا یہ فرض ہے کہ وہ بدقسمت ہندوستان کے جہادِ آزادی کے اس نازک دَور میں ایسی فضاء پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ عوام اس سانحہ کو اس کے اصل رنگ میں دیکھیں۔ قاتل کا یہ فعل ایک ایسے شخص کا انفرادی فعل متصور ہونا چاہئے۔ جس کا جوش اس کے دماغی توازن پر غالب آگیا ہے اور کسی صورت میں بھی اسے ہندو مسلم سوال نہیں بنانا چاہئے۔ میں اہلِ ملک سے عموماً اور اخبار نویسوں سے جو رائے عامہ کو تشکیل دینے والے ہیں خصوصاً دردمندانہ گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ نہایت ہی قابلِ افسوس سانحہ فرقہ وارانہ جذبات کو اشتعال دینے کا ذریعہ نہ بننے پائے۔ قانون قاتل سے سمجھ لے گا۔ ہمیں اس وقت اپنی تمام کوششوں کو اس بات پر مرکوز کر دینا چاہئے کہ دردناک حادثہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس لاہور کا سنگِ راہ نہ بننے پائے جس نے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک برطانوی استعمار پرستوں سے کامل آزادی کا جھنڈا بلند کر دینے کا عہد لیا ہے۔

لاہور کی پولیس نے باشندگانِ لاہور کے ایک پُرامن گروہ پر جو صرف یہ چاہتا تھا کہ راج پال کی اَرتھی کو ہندو محلوں میں سے لے کر گزرے وحشیانہ حملہ کر کے اپنی دیرینہ روایات جبر و استبداد کو تازہ کر دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ میں ڈاکٹر خان چند دیو' پرمانند اور بیسیوں ان طالب علموں اور نو عمر لڑکوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جو اپنے خونچکاں اعضاء استخوان ہائے شکستہ اور ٹوٹے ہوئے کاسہ ہائے سر لئے ہوئے اس دن کو کوس رہے ہیں جب ان کی قسمتوں کی باگ ایک ایسی قوم کے ہاتھ میں دے دی گئی جو بکمالِ فخر اپنے آپ کو عہدِ حاضر کی سب سے زیادہ مہذب قوم سمجھنے کو خوگر ہے۔

مولانا ظفر علی خان کے اس بیان کو تمام حلقوں میں بہت اہمیت دی گئی۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں بھی راج پال کے قتل اور علم الدین کی گرفتاری کی خبر پہنچ چکی تھی۔ ایک طرف ہندو راج پال کے قتل کی مذمت کے ساتھ ساتھ ملزم کو سخت سزا کی قرار دادیں پاس کر رہے تھے جب کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم الدین کو خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے۔

دورانِ تفتیش علم الدین کی نشاندہی پر پولیس انسپکٹر نے گمٹی بازار کے کباڑیے آتما رام کو بھی پولیس سٹیشن طلب کیا تھا اور اس سے پُوچھ گچھ کی تھی۔ کیونکہ علم الدین کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیراتِ ہند مقدمہ درج ہو چکا تھا اور پولیس چالان مرتب کر کے عدالت میں پیش کرنے کی جلدی میں تھی۔

ڈاکٹر ڈارسی نے راج پال کی نعش کے پوسٹ مارٹم کے بعد وہ سربمہر پارسل کھول کر چھُری کا معائنہ بھی کیا تھا جو جائے وقوع پر سب انسپکٹر پولیس چوہدری جلال الدین نے سربمہر کیا تھا اور تصدیق کی تھی کہ راج پال کو لگنے والی ضرب اِسی چھُری سے لگی ہے۔ ڈاکٹر ڈارسی نے ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ پر علم الدین کا طبّی معائنہ بھی کیا تھا اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ مُلزم کے دائیں ہاتھ کی انگلی پر دو خراشیں تھیں اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی زخم تھے اور یہ ضربیں چوبیں گھنٹے کے اندر لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر ڈارسی نے علم الدین کو سرٹیفکیٹ بھی دیا۔ جن میں ان خراشوں کو ضربِ خفیف لکھا تھا اور ساتھ ہی یہ وضاحت کی تھی کہ یہ ضربات تیز دھار آلے سے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

اگلے روز ملک راج مجسٹریٹ درجہ اول لاہور نے پولیس لائن میں شناخت پریڈ کرائی جس میں علم الدین کی شناخت کروائی گئی۔ گواہ کو پولیس کے ذریعے طلب کیا گیا شناخت پریڈ سے پہلے گواہ کو علم الدین کو دیکھنے نہ دیا گیا اور یُوں شناخت پریڈ میں گواہ نے علم الدین کی شناخت کی تو مجسٹریٹ ملک راج نے اس کا میمورنڈم بنایا.......... ایک پارسل بنا کر بند کیا اور اپنے دستخط کئے۔

کانسٹیبل شیر محمد علم الدین کے پارچات اور چھُری کا سربمہر پارسل سول سرجن کے دفتر لے چلا شیشیاں کیمیکل اگزمینر کے دفتر لے گیا جو سربمہر تھیں۔

۹ اپریل کو لاہور' قصور' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' گجرات' راولپنڈی' گوجر خان' راجہ جنگ' کوہاٹ اور آزاد کشمیر کے موجودہ اضلاع میرپور اور کوٹلی میں ہندوؤں کے متعدد اجلاس ہوئے جن میں راج پال

کو قتل کرنے کی مذمت کی گئی اور علم الدین کو سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ لاہور میں علامہ اقبال ٬ مولانا محمد علی ٬ سر شفیع٬ مراتب علی شاہ ٬ میاں عبدالعزیز نے علم الدین کے حق میں قرار داد پاس کرائی۔ جب کہ دوسرے شہروں میں بھی سرکردہ مسلمانوں نے راج پال کے خلاف قرار دادیں پاس کرائیں۔ میرپور اور کوٹلی آزاد کشمیر کے محلہ بلیاہ میں بھی ایک اجلاس ہوا جس میں شیخ فضل الٰہی راٹھور مرحوم کے والد جھنڈا مرحوم مسلم نیشنل گارڈ کے سالار بابو عبدالغنی راٹھور کے والد سیف علی راٹھور مرحوم نے بھی خطاب کیا۔

منشی فضل الٰہی مرحوم نے اپنے خطاب میں **مسلمانان** ہند سے اپیل کی کہ وہ ہندوؤں کی طرف سے نکالے جانے والے جلسے جلوسوں کا نوٹس نہ لیں۔ کیونکہ شیطان صفت راج پال اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا انجام یہی ہونا تھا اور اب اگر کسی نے ایسی جرائت کی تو مسلمانان ہند اسے کسی صورت میں معاف نہیں کریں گے۔

اس اجلاس میں پاس ہونے والی قرار داد جموں سے شائع ہونے والے اخبارات کو بھی ارسال کی گئی۔ روزنامہ " زمیندار " کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے نام بھی ایک نقل ارسال کی گئی۔

اسی طرح جہلم میں جوبلی گھاٹ پر شام ۸ بجے ہندوؤں کا ایک جلسہ ہوا جس میں حاضرین کی تعداد بہت کم تھی۔ اس جلسے کی صدارت ایک ہندو عرائض نویس نے کی۔ بخشی بشن داس صدر کانگریس کمیٹی نے تقریر کی اور کہا کہ راج پال کو ایک مسلمان نے قتل کیا ہے چونکہ مارنے والا ایک مسلمان تھا اس لئے ہم کو صبر اور سکون سے کام لینا چاہئے۔ بخشی بشن داس نے کہا میں ہندو ہوں.......... اور ہندو بھی کون آریہ .... بلکہ آریہ سے بھی دس قدم آگے بڑھا ہوا۔

مگر میں نے قرآن شریف پڑھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تم کسی بُت کو گالی بھی نہ دو۔ اس میں تمام مسلمان قوم کا قصور نہیں ہے بلکہ ایک بُرا فعل کرنے والا اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ سوامی دیانند کو ایک ہندو برہمن نے زہر دے دیا اس میں قصور برہمن کا تھا نہ کہ تمام ہندوؤں کا.......... مہاشے رام چند کو جموں میں ہندوؤں ہی نے لاٹھیاں مار مار کر مار دیا۔ اس میں قصور صرف ان ہندوؤں ہی کا تھا نہ کہ تمام ہندوستان کے ہندوؤں کا۔

راج پال کے بارے میں قصور صرف قاتل ہی کا ہے نہ کہ تمام مسلمانوں کا.......... مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے لیڈروں ڈاکٹر شیخ محمد عالم ٬ مولانا ظفر علی خان ٬ ڈاکٹر کچلو اور سر عبدالرحیم وغیرہ نے بھی قاتل کے فعل کی مذمت کی ہے۔ اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا جو شخص کسی مذہب کے بانی یا بزرگ کی توہین کرتا ہے وہ پاجی ہے.......... ملعون ہے۔ ڈاکٹر نذر محمد بھی اس جلسہ میں موجود تھے۔ انہوں نے بخشی بشن داس کی تقریر کو قلم بند کیا اور روزنامہ " زمیندار " کو رپورٹ ارسال کی۔

دوسرے شہروں میں بھی ہونے والے جلسے جلوسوں کی خبریں لاہور اعلیٰ حکام اور اخبارات تک پہنچ رہی تھیں۔

ادھر طالع مند ابھی گھر کی چار دیواری میں ہی اپنے دل کا غبار نکال رہے تھے۔ پولیس ابھی تک ان کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ طالعؔ مند کو معلوم ہوچکا تھا کہ علم الدین کو جیل بھیج دیا گیا ہے۔ انہوں نے پولیس افسر سے کہا کہ وہ علم الدین سے ملنا چاہتے ہیں لیکن اس نے اجازت نہ دی۔ اس دوران شیدا شہر میں ہندوؤں کے پروگرام سے انہیں برابر آگاہ کرتا رہا۔ اعلیٰ حکام بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں پائے جانے والی کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے جلد سے جلد علم الدین کو عدالت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔

مسلمان خطیب مساجد میں راج پال کے خلاف تقریروں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور پھر ڈپٹی کمشنر نے حکم نامہ جاری کیا کہ مساجد میں ایسی تقاریر نہ کی جائیں جن سے ہندو مسلم تصادم کا خطرہ پیدا ہو۔

اس دوران ڈپٹی کمشنر نے روزنامہ "زمیندار" کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان سے ملاقات کی اور ان سے استدعا کی کہ ایسی خبروں کی اشاعت سے گریز کریں جن سے حالات خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو انہوں نے ڈپٹی کمشنر سے کہا کہ اگر تم لوگ پہلے ہی مسلمانوں کے مطالبے پر راج پال کے خلاف قانونی کارروائی کر لیتے تو آج ایسی صورت پیدا نہ ہوتی جو بویا ہے وہی کاٹو گے .... اب گھبراتے کیوں ہو؟ ہمارے نبیؐ کی شان میں کوئی گستاخی کرے ہم کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔ تاہم مولانا ظفر علی خان نے اس شرط پر تعاون کا یقین دلایا کہ اگر کسی اخبار نے راج پال کی حمائیت میں صفحے سیاہ کئے تو اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔

ڈپٹی کمشنر نے کچھ سوچتے ہوئے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور پھر دیگر اخبارات کے ایڈیٹروں سے بھی رابطہ کیا۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔ .... کیونکہ بعض اخبارات نے پھر بھی اشتعال انگیز خبریں چھاپیں اور پھر جواباً مولانا ظفر علی خان نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

ادھر پولیس نے طالعؔ مند کو بھی گرفتار کر لیا۔ دورانِ تفتیش جب پولیس کو یقین ہو گیا کہ طالعؔ مند راج پال کے قتل میں ملوث نہیں ہے تو انہیں چھوڑ دیا۔

۱۰ اپریل صبح ساڑھے دس بجے علم الدین کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند مسٹر لوئس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شروع ہوئی۔ استغاثہ کی طرف سے ایشرو داس کورٹ ڈی ایس پی پیروکار تھا جب کہ علم الدین کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا تھا۔

عدالت نے گواہان استغاثہ کے بیانات قلم بند کئے۔ کدار ناتھ ملازم راج پال نے جو گواہ تھا بیان کیا کہ میں ٦ اپریل کو ٢ بجے کے قریب دکان کے پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا۔

راج پال دفتر بیٹھے ہوئے تھے کہ ملزم نے آتے ہی ان کے جگر میں چھُرا گھونپ دیا اور چھُرا نکال کر وہیں پھینک دیا مہاشہ جی کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی۔ میں نے باہر نکل کر ملزم پر کتابیں پھینک دیں مگر ملزم بھاگ گیا۔

میں نے اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور و غل مچایا ملزم بھاگ نکلا۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا ملزم سیتارام سوداگر چوب کی دکان میں گھس گیا مگر راستہ بند دیکھ کر واپس لوٹا۔ مسٹر ودیا نند نے اسے پکڑ لیا۔

اس کے بعد ودیا نند ولد سیتارام عمر ۲۲ سال نے بیان کیا کہ میں اپنے دفتر واقعہ ہسپتال روڈ میں بیٹھا تھا کہ بازار سے شور سنائی دیا ملزم ہمارے مکان کی جانب گیا اور راستہ رکا ہوا پا کر لوٹا۔ میں نے ملزم کو پکڑ لیا اتنے میں اور لوگ بھی آ گئے۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بدلہ لے لیا۔" راج پال خون میں لت پت تھے گواہ نے عدالت میں ملزم کی شناخت کی۔

بھگت رام ملازم راج پال نے پہلے گواہ کدار ناتھ کے بیان کی تائید کی اور پھر برکت علی ہیڈ کانسٹیبل نے باقرار صالح بیان کیا کہ میں لوہاری گیٹ میں ڈیوٹی پر تھا جب کہ مجھے معلوم ہوا کہ راج پال کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں رحمت خان وغیرہ سپاہیوں کے ہمراہ راج پال کی دکان پر پہنچا جہاں میں نے دو آدمیوں کو ملزم کو لاتے دیکھا۔ انہوں نے کہا ملزم نے راج پال کو قتل کیا ہے۔ میں نے ملزم کو دو کانسٹیبلوں کے ہمراہ کیا اور کہا کہ وہ بلا تاخیر اسے لوہاری دروازہ کی چوکی میں لے جائیں کیونکہ لوگ جمع ہو رہے تھے اور فساد کا اندیشہ تھا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ گیا تھا ہم نے دیکھا کہ راج پال اندر مرا پڑا ہے۔ ہم نے خون آلود چھری قبضے میں لے لی اور فہرست مرتب کی۔ اتنے میں سب انسپکٹر آ گیا۔ نعش اپنے قبضہ میں لے لی۔ گواہ نے ملزم کو عدالت میں شناخت کیا تارا چند کانسٹیبل نے اس کے بیان کی تائید کی اور کہا کہ جب میں آیا تو برکت علی ہیڈ کانسٹیبل جائے وقوع پر موجود تھا تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر بھی آ گئے۔

چودھری جلال الدین سب انسپکٹر نے بیان کیا کہ میں تھانہ کچہری میں تعینات ہوں۔ مجھے تھانہ میں بذریعہ ٹیلیفون اطلاع موصول ہوئی کہ راج پال قتل ہو گیا ہے میں بے تحاشہ وہاں سے بھاگ اُٹھا جب میں لوہاری دروازہ کے باہر پولیس چوکی میں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ملزم گرفتار کر لیا گیا ہے ملزم شیر محمد وغیرہ کے قبضہ میں تھا۔

میں نے دیکھا کہ ملزم کی قمیض کی داہنی آستین پر خون کے دو نشان تھے اور شلوار کے داہنے حصہ پر بھی خون کے نشان تھے ملزم کے دونوں ہاتھ زخمی تھے میں نے فوراً ان امور کو پنسل سے قلم بند کر لیا اور جائے وقوع کی جانب بھاگا۔ میں نے ہدایت کی کہ ملزم کو اسی حالت میں رکھا جائے وہاں بہت سے آدمی موجود تھے تارا چند برآمدگی مرتب کر رہا تھا میں نے چھری کا خاکہ تیار کیا چھُری کا پارسل بنایا گیا۔ اس پر امام دین کانسٹیبل کی مُہر لگائی گئی اس کے بعد میں نے کدار ناتھ کا بیان قلم بند کیا بیان گواہ کو دکھایا گیا جو

گواہ نے درست تسلیم کیا اور بیان تھانہ میں بھیج دیا گواہ نے نقشہ صورتِ حال عدالت میں دیکھ کر درست تسلیم کیا نعش کو میں نے پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دیا۔

گواہ کو دو چھریاں دکھائی گئیں گواہ نے کہا کہ یہ چھُریاں میں نے آتما رام دکاندار گمٹی بازار سے خریدی تھیں۔ ملزم نے بتایا تھا کہ اس نے خون آلود چھُری گمٹی بازار کے ایک کباڑی کی دکان سے خریدی ہے، آتمارام نے مجھے بتایا کہ میں نے چھری فروخت کی تھی اس نے جو کچھ بیان کیا اور آدمی کا حُلیہ بتایا وہ مُلزم کے حُلیہ سے ملتا تھا۔

اس کے بعد یہ دو چھُریاں مذکور نے بطور نمونہ دی تھیں اس کے بعد شناخت کی پریڈ میں دکاندار نے مُلزم کو شناخت کیا تھا۔

عدالت نے ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل اور پنڈت گردھاری لال اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کی شہادت نعش کے طبعی معائنہ سے متعلق لی۔

آتمارام ذات کمبوہ عمر ۷۸ سال نے بیان کیا کہ میں کباڑی کی دکان کرتا ہوں۔ میری دکان کباڑی بازار میں ہے۔ گذشتہ سنیچر کا ذکر ہے کہ مُلزم نے جسے عدالت میں شناخت کرتا ہوں مجھ سے ایک روپے قیمت پر چھری خریدی۔

محمد عثمان نقشہ نویس اور جواہر لال انسپکٹر سی آئی ڈی کی شہادت تک علم الدین کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہیں ہوا تھا ۱۲ بج کر ۵ منٹ پر مسٹر فرخ حسین بیرسٹر کمرہ عدالت تشریف لائے.......... آپ علم الدین کے قریب پہنچے کچھ دیر ان سے باتیں کیں اور پھر آپ نے عدالت کو بتاتے ہوئے کہا کہ میں ملزم کی طرف سے وکیل ہوں، یہ استدعا کی کہ مقدمہ نہایت اہم ہے اس لئے ملزم کو صفائی کی تیاری کے لئے موقع دینے کے لئے ضروری ہے کہ مقدمہ کی سماعت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دی جائے جس پر ایشر داس نے کہا کہ وکیل ملزم چاہیں تو انہیں دو گھنٹہ کے لئے مِسلیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ مسٹر فرخ نے کہا کہ یہ وقت صفائی کی تیاری کے لئے کافی نہیں۔ عدالت نے ان کی درخواست نامنظور کر دی۔ اس پر انہوں نے زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوجداری درخواست دی کہ چونکہ میں مقدمہ ہذا کے انتقال کے لئے ہائی کورٹ میں درخواست کروں گا اس لئے مقدمہ کی کارروائی روک دی جائے اس پر عدالت نے مقدمہ کی سماعت ۱۶ اپریل پر ملتوی کر دی۔

مقدمہ کی کارروائی کے بعد علم الدین کانسٹیبلوں کی حراست میں اکیلے رہ گئے اور پھر انہیں پولیس کے جوان لے کر چلے، اس تمام کارروائی کے دوران ان کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں رہی اور وہ ہشاش بشاش رہے اس روز وہ سفید شلوار دھاری دار کُرتہ اور سفید پگڑی باندھے ہوئے تھے۔

پہلے پہل تو مسلمانانِ ہند نے مقدمہ میں دلچسپی نہ لی لیکن جب اگلے روز اخبارات میں راج پال کے

مقدمہ قتل کی سماعت کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں تو مسلمانانِ ہند چونک پڑے اس روز اخبار "خلافت" نے "راج پال کی ارتھی کا جلوس اور آقائے ظفر علی خان کی بے نظیر رواداری" کے عنوان سے حسبِ عادت یوں اختراپردازی کی۔

"مولانا ظفر علی خان، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور چند دوسرے مسلمان بھی ننگے پاؤں سوگوارانہ شکل میں ارتھی کے جلوس کے ساتھ تھے اور گل باری فرما رہے تھے" یہ خبر پڑھ کر مسلمانانِ لاہور حیران رہ گئے۔ اس روز ہزاروں لوگ "زمیندار" کے دفتر میں گئے اور مولانا ظفر علی خان سے اس خبر کے بارے میں وضاحت چاہی۔ اس کے جواب میں مولانا ظفر علی خان کے اخبار "زمیندار" میں بھی "جھوٹوں پر خدا کی لعنت" کے عنوان سے وضاحت چھپی کہ مولانا ظفر علی خان ارتھی کے جلوس میں قطعاً شامل نہیں ہوئے آقائے حبیب الرحمان اس روز لدھیانہ میں تھے اور حقیقت یہ ہے کہ جلوس من و عن ہندوؤں پر مشتمل تھا اور اس میں کوئی مسلمان شریک نہ تھا۔

اخبار "زمیندار" نے گواہان استغاثہ کے بیانات جو انہوں نے عدالت میں دیئے من و عن شائع کر دیا تھا تب لوگوں کی توجہ علم الدین کی طرف ہوئی وہ حیران تھے کہ حکام اس مقدمہ میں اتنی جلدبازی کیوں کر رہے ہیں۔

اس روز موچی دروازہ میں ایک جلسہ عام ہوا، ابھی صرف ایک دو مقرر ہی خطاب کر سکے تھے۔ کہ پولیس کی بھاری جمعیت مجسٹریٹ کے ہمراہ وہاں پہنچی۔ ڈپٹی کمشنر بھی ان کے ہمراہ تھا مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر نے مسلمان لیڈروں سے اپیل کی کہ وہ جلسے جلوسوں کا سلسلہ بند کر دیں۔ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔ ان جلسے جلوسوں کی وجہ سے امن و امان بحال رکھنا ممکن نہیں ہو سکے گا۔ جس پر قائدین نے ان کی توجہ بعض اخبارات میں شائع ہونے والی بے بنیاد خبروں کی طرف دلائی۔ حکام نے اس کی تحقیقات کرنے کا وعدہ کیا جس پر جلسہ کی کارروائی ختم کر دی گئی اور لوگ منتشر ہو گئے۔

اُدھر طالع مند مقدمہ کی سماعت اس قدر جلد ہونے کی وجہ سے سخت پریشان تھے اپنے طور پر انہوں نے کئی لوگوں سے رابطہ کیا وہ چاہتے تھے کہ اب کوئی اچھا سا وکیل مل جائے جو علم الدین کی طرف سے پیش ہو سکے فرخ حسین ایڈووکیٹ کو طالع مند نے مبلغ چار صد روپے ادا کئے۔

مسٹر لوئس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے علم الدین کے خلاف مقدمہ زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند بالزام قتل راج پال کی دوبارہ سماعت کی۔ اس روز احاطہ عدالت کے باہر پولیس کا زبردست پہرہ تھا دو کانسٹیبلوں کی حراست میں ہتھکڑی لگا کر علم الدین کو عدالت میں لایا گیا۔ اس وقت کمرہ عدالت میں بھی دو مسلح کانسٹیبل کھڑے تھے۔ بندوقوں کے آگے ننگی سنگینیں لگی ہوئی تھیں۔ تماشائیوں کی گیلری میں چالیس

پچاس آدمی تھے، علم الدین ایک طرف خاموشی سے بیٹھے جھوم رہے تھے ان کے پاس ہی طالع مند بھی بیٹھے تھے۔

استغاثہ کی طرف سے مسٹر ایشرداس اور علم الدین کی طرف سے خواجہ فیروزالدین بیرسٹر پیروکار تھے۔ ان کی امداد کے لئے ڈاکٹر اے آر خالد بھی موجود تھے۔ خواجہ صاحب نے عدالت سے کہا کہ یہ مقدمہ اب میں نے لے لیا ہے پہلے روز جو صاحب پیش ہوئے تھے انہوں نے التوائے مقدمہ کی خواہش کی تھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مقدمہ کی سماعت آخر عدالت سیشن میں ہوتی ہے اس لئے میرا مؤکل انتقال مقدمہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ خواجہ صاحب کی درخواست پر مجسٹریٹ نے انہیں عدالت کے کمرہ میں علم الدین کے ساتھ چند منٹ گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد کارروائی شروع ہوئی۔ جواہرلال انسپکٹر کی شہادت گذشتہ پیشی پر ہوئی تھی آج اس پر جرح ہوئی تھی لیکن خواجہ صاحب نے کہا کہ میں سرِدست کسی گواہ پر جرح نہیں کرنا چاہتا۔

استغاثہ کے اگلے گواہ دیوان وزیر چند (گوجرانوالہ) نے کہا کہ میں دو بجے کے قریب دفتر اخبار "گورو گھنٹال" میں بیٹھا ہوا تھا۔ لالہ شام لال کپور مالک اخبار مذکور کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا۔ دفتر "گورو گھنٹال" راج پال کی دکان کے اوپر ہے بازار میں 'پکڑو' 'پکڑو' 'مار گیا' 'مار گیا' کا شور ہوا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ بازار میں کوئی چیز گری ہے۔ میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند کتابیں گری ہوئی ہیں اور ایک لڑکا بھاگا جا رہا ہے۔ میں نے اس کے پیچھے بھاگنے والوں کو کہا کہ پکڑ لو۔ پھر میں خود بھی نیچے اُتر کر بھاگا۔ جب میں موڑ کے قریب گیا تو ایک ننگے سر والا ملزم کو پکڑ کر لا رہا تھا پھر گواہ نے ملزم کو عدالت کے کمرہ میں شناخت کیا اور کہا کہ میرے پوچھنے پر ملزم نے کہا تھا کہ میں نے کچھ نہیں چرایا۔ مسلمانوں نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بدلہ لیا ہے۔ ہم ملزم کو راج پال کی دکان پر لے آئے وہاں معلوم ہوا کہ ملزم نے راج پال کو قتل کر دیا ہے اور چھُرا وہیں چھوڑ دیا ہے۔ میں نے لوہاری دروازہ کی پولیس گارڈ کو اطلاع دی۔ جرح محفوظ رکھی گئی۔ ملک راج مجسٹریٹ درجہ اول نے کہا میں نے ۱۹ اپریل کو پولیس لائن میں شناخت پریڈ کرائی تھی جس میں ملزم علم الدین کی شناخت کرائی گئی میں نے اس کا میمورنڈم بنایا تھا اور پھر جب انہیں میمورنڈم دکھایا گیا تو اس پر ثبت شدہ اپنے دستخطوں کی تصدیق کی اور کہا میں نے پوری احتیاط سے کام لیا۔ گواہ تھانہ کے ذریعہ بلایا گیا گواہ کے لئے ملزم کو پہلے دیکھنے کو کوئی موقع نہ تھا۔ جرح محفوظ رہی۔

کانسٹیبل شیر محمد نے بیان کیا کہ میں ملزم کے پارچات اور چھُرے کے سر بمہر پارسل کیمیکل ایگزامینر کے دفتر میں لے گیا جب کہ کانسٹیبل غلام نبی نے کہا کہ میں سول سرجن کے دفتر سے چار شیشیاں کیمیکل ایگزامینر کے دفتر میں لے گیا جو سر بمہر تھیں۔

اگلے گواہ خوش حال چند نے کہا کہ میں قلعہ گوجر سنگھ میں دکان کرتا ہوں، لالہ جواہر لال انسپکٹر پولیس نے ملزم کی قمیض اور شلوار میرے رُوبرو اتروائی تھی، قمیض اور شلوار پر خون کے نشانات تھے لالہ جواہر لال نے کپڑوں کا پارسل بنا کر مہریں لگائیں، خون آلود حصہ کاٹ لیا گیا تھا ایک فرد بنایا گیا جس پر میں نے دستخط کئے، گواہ نے اپنے دستخط شناخت کئے، خواجہ فیروزالدین ایڈووکیٹ نے گواہ سے کوئی سوال نہ کیا۔

میو ہسپتال کے ڈاکٹر ڈارسی نے اپنے بیان میں کہا کہ میں نے راج پال کی نعش کا پوسٹ مارٹم ۶ر اپریل ۱۹۲۹ء کو کیا، نعش کی شناخت ڈاکٹر گردھاری لال نے کی جو مقتول کو جانتا۔ اس کی انگلیوں، سر، چھاتی اور پٹھوں پر زخم تھے اور کلیجہ بھی مجروح تھا۔ کلیجہ کے قریب پسلی ٹوٹی ہوئی تھی، چھاتی کے بائیں طرف کا زخم ڈیڑھ انچ لمبا تھا اور ار ۴ چوڑا تھا۔ اس کی گہرائی ساڑھے سات انچ تھی پسلی کٹ گئی تھی اور بائیں پٹھے پر سخت زخم تھا۔ ڈاکٹر ڈارسی نے کہا کہ میرے خیال میں موت اس ضرب کی وجہ سے ہوئی جو کلیجہ پر لگی ایسی ضرب کسی تیز نوک دار ہتھیار سے لگ سکتی ہے۔ دوسرے روز ایک چھرا میرے پاس بھیجا گیا اس سے ایسی ضربات لگ سکتی ہیں۔ گواہ کو چند چاقو دکھلائے گئے تو اس نے کہا کہ ان سے ایسی ضربات لگ سکتی ہیں جس آلہ سے یہ ضربیں لگائی گئیں وہ آلہ ایسا ہی تھا جو میرے روبرو سات اپریل کو پیش کیا گیا تھا میں نے سربمہر پارسل کو کھولا تھا اور چاقو کے معائنہ کے بعد پھر بند کر دیا میں نے سوا بارہ بجے معائنہ کیا ملزم کے دائیں ہاتھ کی انگلی پر دو خراشیں تھیں اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی زخم تھا۔ یہ ضربیں چوبیس گھنٹے اندر کی لگی ہوئی تھیں، میں نے ملزم کو سرٹیفکیٹ دیا اور وہ صحیح ہے یہ ضربات بالکل خفیف تھیں اور تیز دھار والے آلہ سے لگی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

وکیل صفائی خواجہ فیروزالدین نے کوئی جرح نہ کی لیکن بدیں مضمون ایک تحریری درخواست عدالت میں دی کہ.........

عدالت اگرچہ اس امر کے لئے مجبور نہیں کہ سیشن میں گواہوں کی جو فہرست بھیجے اس میں ڈاکٹر کا نام بھی درج کرے لیکن چونکہ لاہور میں کچھ حرج نہیں ہے اور خصوصاً مسٹر ٹیپ۔ سیشن جج ڈاکٹر کی طلبی کی اجازت دے دیا کرتے تھے۔ اس لئے عدالت ڈاکٹر کو بھی پابند کر دے۔

عدالت نے جواب میں لکھا کہ اس درخواست کی سماعت عدالت پیش کر سکتی ہے۔ تب خواجہ فیروزالدین نے کہا کہ میں عدالت سیشن میں درخواست پیش تو کروں گا لیکن اس وقت کہیں یہ سوال پیدا نہ ہو کہ میں نے عدالت ماتحت میں یہ درخواست پیش نہیں کی۔ آپ کیلنڈر میں ڈاکٹر کا نام نہ لکھیں البتہ جب عدالت سیشن سے تاریخ پیشی کی اطلاع آئے تو دوسرے گواہوں کے علاوہ ڈاکٹر کو بھی اطلاع دے دیں کہ اس مقدمہ کے لئے فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے اگر عدالت سیشن مناسب سمجھے تو انھیں

طلب کرے۔ عدالت نے یہ منظور کر لیا۔

ازاں بعد وکیل صفائی نے درخواست پیش کی کہ ہمیں ملزم کو کپڑے پہنانے کی اجازت دی جائے۔ عدالت نے حکم دیا کہ اسی کمرہ میں پہنا دیئے جائیں .... لیکن چونکہ اس وقت لوگوں کا وہاں ہجوم لگ گیا تھا۔ کمرہ عدالت سے لوگوں کو باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا اور فوراً بعد ہی یہ حکم دے دیا گیا کہ ملزم کو جیل میں کپڑے بدلوائیں جائیں۔ اس قدر کارروائی کے بعد مقدمہ ۲۴ اپریل پر ملتوی ہوا۔ چھرا ماہرین کے معائنہ کے لئے کلکتہ بھیج دیا گیا۔

عدالت کے اندر اور باہر پولیس کے مسلح جوان موجود رہے۔ دورانِ سماعت طالع مند علم الدین کے پاس بیٹھے رہے۔ بعض اخبارات کے رپورٹر بھی کمرہ عدالت میں بیٹھے تھے۔ کارروائی کے اختتام پر پولیس علم الدین کو واپس جیل لے گئی۔

اگلے روز اخبارات میں راج پال کے مقدمہ قتل کی سماعت کی خبریں چھپیں تو بعض حلقوں کی طرف سے حکام سے اپیل کی گئی کہ ملزم کو عبرت ناک سزا دی جائے جس کے جواب میں مسلمان قائدین نے راج پال کے خلاف قرار دادیں منظور کیں اور اخبارات کو بیانات جاری کئے۔

اس مقدمے کی سماعت کے دوران خواجہ فیروز الدین ایڈووکیٹ، مسٹر فرخ حسین مسٹر سلیم کے علاوہ بعض دوسرے وکلاء نے بھی طالع مند سے تعاون کیا اور عدالت سے کہا کہ شہادتوں سے مقدمہ ثابت نہیں ہوتا۔

انہوں نے کہا کہ استغاثہ کے مطابق قاتل جب دکان میں آیا دو آدمی موجود تھے۔ جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ ان کے سامنے اس نے حملہ کیا۔ مقتول نے حملہ روکا۔ مقتول کے ہاتھوں پر زخم بھی آئے۔ آخر کئی ضربوں کے بعد وہ اسے مار گرانے میں کامیاب ہو گیا اور کام کر کے بھاگ گیا۔ مگر تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اثنائے قتل میں کیوں نہ بولے اور کیوں نہ انہوں نے شوروغوغا بلند کیا تاکہ قاتل موقع پر پکڑا جاتا۔ پھر جو چھُری پکڑی گئی ہے اس کا سر ٹوٹا ہوا ہے۔ اس سے آدمی قتل نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب قاتل آیا اس وقت راج پال دکان کے اندر بیٹھا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اس کا کام تمام کر کے ہوا ہو گیا۔ ملازموں نے جو آ کر دکاندار کو مقتول پایا تو چلاتے ہوئے دوڑے اور ایک مسلمان کو پکڑ کر قاتل بنا دیا۔ حالانکہ اگر یہ قاتل ہوتا تو بھاگ کر انار کلی کے پُر رونق بازار میں شامل انبوہ کثیر ہو کر بچ نکلتا نہ کہ غیر آباد طرف جا کر پکڑا جاتا۔ جس دکاندار سے چھُری خریدنا بیان کیا جاتا ہے۔ وہ کمزور نظر آدمی ہے اسے کس طرح یاد رہ سکتا ہے کہ فلاں شکل وصورت کا ایک آدمی آیا تھا جو چھُری خرید کر لے گیا۔ مقدمہ بالکل ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا جج صاحب کو چاہئے کہ ملزم کو بری کر دیں۔

کیس سیشن میں زیر سماعت تھا۔ جج نے ان دلائل کو تسلیم نہ کیا اور یوں سیشن جج نے علم الدین کو قتلِ راج پال میں ۲۲ مئی کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ اس فیصلہ کے چند روز بعد طالع مند پھتے شیر فروش کو اپنے ہمراہ لئے بمبئی گئے اور وہاں کے نوجوان وکیل محمد علی جناحؒ سے ملے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ تو آپ نے کسی وکیل کو وہاں بلانے کا کہا۔ طالع مند واپس آئے اور پھر مسٹر فرخ حسین بمبئی گئے اور محمد علی جناحؒ کو مقدمہ کے بارے میں تفصیل سے بتایا' معاملات طے ہوئے اور یوں ۱۵ جولائی کو علم الدین کو سنائی جانے والی سزا کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔

ہائیکورٹ کے جسٹس براڈوے و جسٹس جانسن تھے جب کہ علم الدین کی طرف سے وکیل صفائی محمد علی جناح تھے۔ سیشن جج نے قائد اعظمؒ کے دلائل کو بھی قبول نہ کیا اور اس طرح اپیل خارج ہو گئی۔ طالعؒ مند نے وکیل صفائی کی فیس کے علاوہ اُن کی آمد' لاہور میں قیام اور واپسی کے اخراجات بھی برداشت کیے۔ مسلمانوں نے اسیرِ عشق کی رہائی کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس نے بھی طالعؒ مند کو مالی امداد دی تھی۔ کیس کی سماعت کے آغاز سے پریوی کونسل میں اپیل تک کے فیصلہ کے دوران اٹھارہ ہزار دو سو روپے خرچ ہوئے۔ مولوی محمد عبداللہ چغتائی مرحوم کے بقول علم الدین کے والد نے اپنے پاس سے ساڑھے تین ہزار روپے خرچ کئے۔ اس کے علاوہ دو ہزار روپے قرض لے کر اخراجات پورے کیئے لندن کی پریوی کونسل میں اپیل دائر ہونے کے تین ماہ بعد بھی نتیجہ مایوسی کے سوائے کچھ نہ نکلا۔ ۱۵ اکتوبر کو اپیل کو خارج کر دیا گیا۔

اس دوران لاہور میں فساد کے خطرے کے پیش نظر علم الدین کو ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء رات ساڑھے نو بجے بس پر بیٹھا کر گوجرانوالہ پہنچایا گیا اور وہاں سے ساڑھے بارہ بجے ریل گاڑی پر میانوالی روانہ کیا گیا۔ علم الدین کو فسٹ کلاس کے ڈبے میں بٹھایا گیا اس وقت ان کے ہمراہ ۴ سپاہی ۲ سارجنٹ اور ایک چھوٹا کپتان تھا۔ میانوالی گاڑی ڈھائی بجے جمعہ کو پہنچی اور پھر پولیس علم الدین کو میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں لے گئی۔

اُدھر طالعؒ مند کو بھی کسی طور یہ معلوم ہو گیا کہ اعلیٰ حکام نے علم الدین کو میانوالی جیل پہنچا دیا ہے وہ بھی میانوالی پہنچے دیگر عزیز و اقارب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ میانوالی میں اکبر نامی داروغہ جیل کے گھر رہے۔

اس دوران پنجابی کے مشہور لاہوری شاعر عشق لہر نے بھی میانوالی جیل میں علم الدین سے ملاقات کی تو علم الدین نے انہیں کہا کہ میرے حسبِ حال شعر کہے ہوں تو سنائیں انہوں نے جواباً کہا کہ علم الدین تمہاری والدہ تجھ سے ملنے آئی ، ممتا کی ماری بے اختیار آنسو بہاتی رہی تم نے اسے منع کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ جس نے مجھے رو کر ملنا ہے وہ مجھ سے نہ ملے۔ اور اب مجھے شعر سنانے کا کہہ رہے ہو اگر اس

دوران میں بھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا توتم مجھ سے بھی ناراض ہو جاؤ گے۔ آپ نے کہا استاد حوصلہ رکھیں۔ میرا دل مطمئن ہے۔ یقین کرو جو میں دیکھ رہا ہوں اگر تم بھی دیکھ لو تو بخدا کبھی غمگین نہ ہو۔

علم الدین کو معلوم تھا کہ انہیں تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا لیکن اس کے باوجود ان کے پائے استقلال میں ایک لحہ کے لئے بھی جنبش نہیں آئی۔ وہ ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کا وزن پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ رقیق القلب ممتا کی ماری دکھیا ماں ملنے جاتی تو وہ انہیں بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

میانوالی جیل میں ہی سیال شریف کے پیر صاحب بھی علم الدین سے ملاقات کے لئے گئے۔ سورۃ یوسف پڑھنا شروع کی علم الدین قرآن نہیں پڑھے تھے مگر اس کے باوجود لقمہ دیتے رہے اور پھر خود ہی پڑھنے لگے۔

جیل کے تمام قیدی علم الدین کی دل کی گہرائیوں سے عزت کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زندگی داؤ پر لگادی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا رہا کہ اگر جیل میں کوئی قیدی بیمار ہو جاتا اور علم الدین اسے اپنے ہاتھ سے پانی کے دو گھونٹ بھی پلا دیتے تو وہ صحت یاب ہو جاتا تھا۔

مرحوم نواب دین سپاہی پھگواڑہ نے جو اس وقت ان کی نگرانی پر مامور تھا ایک روز کمرے میں دیکھا تو علم الدین کمرے میں موجود نہیں تھے۔ وہ سمجھا کہ شاید انہیں کوئی نکال کر لے گیا ہے اس نے اعلیٰ حکام کو جو جیل میں موجود تھے اطلاع کی اور جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں۔ علم الدین کمرے میں موجود ہیں۔ نواب دین آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ کوٹھڑی سے شعاعیں نکلتی دیکھیں۔ ایک لحہ کو نواب دین نے کمرے کے اندر ایک ایسا منظر بھی دیکھا کہ دم بخود رہ گیا۔ اس وقت علم الدین کے پاس ایک نورانی صورت سبزپوش بزرگ کھڑے تھے اور وہ علم الدین کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور پھر نواب دین کی قوتِ سماعت سے الفاظ ٹکرائے وہ بزرگ علم الدین سے کہہ رہے تھے۔ بیٹا حوصلہ رکھنا گھبرانا نہیں۔

شمع رسالت کے پروانے میاں علم الدین نے میانوالی جیل میں جو وصیتیں کیں ان میں اپنے عزیزو اقارب کو تلقین کی کہ تم میں سے کوئی بھی مجھے رو کر نہ ملے۔ اپنے متعلق انہوں نے کہا کہ میرے اس دنیا فانی سے رخصت کر جانے کے بعد مجھے یہاں غسل دینا اور یہاں جنازہ بھی پڑھنا تاکہ میانوالی کے مسلمانوں کی دعاؤں سے بھی فائدہ اٹھالوں۔ لاہور نعش لے جانے کے بعد وہاں بھی غسل دینا اور اگر ہوسکے تو وہ چارپائی جس پر حضرت مولوی تاج دین رحمتہ اللہ علیہ کی نعش لے جائی گئی تھی ضرور مہیا کر لینا

میا نوالی سے لاہور تک جس اسٹیشن پر بھی گاڑی رُکے با آواز بلند کلمہ شریف پڑھنا اور میرا جنازہ چوبرجی والی گراؤنڈ میں لاہور کے مسلمانوں کی دعائے خیر کے لئے پڑھنا۔

انہوں نے اپنی قبر کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ میری قبر کے چار کونوں میں درخت گلاب کے چار گملے لگانا، قبر ننگی رکھنا تاکہ بارانِ رحمت کی بوندیں اس پر پڑتی رہیں۔ صندوق میں رکھ کر قبر نہ بنانا۔ مجھے سُنت کے طریق دفن کرنا میری قبر پختہ نہ بنانا اور اس کی حفاظت کے لئے ایک تھڑا اور قبر کے گرد کٹھڑہ میرے والد اپنے ہاتھ سے تیار کریں۔

شہادت سے دو روز قبل علم الدین سے ملاقات کے لئے ان کا دوست شیدا میانوالی گیا۔ تو آپ نے اسے کہا کہ راج پال کا قاتل میں ہوں بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں نے موت سے ڈر کر عدالت میں ارتکابِ فعل سے انکار کیا۔ یہ غلط ہے۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حیاتِ دنیا مستعار ہے اور ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس دارِ فانی سے گزرنا ہے پھر میں کیونکر موت سے ڈر سکتا تھا۔ عدالت میں میرے جو بیانات ہوئے وہ میں نے اپنے بزرگوں کے کہنے کے مطابق بادل ناخواستہ دیئے۔

میرے نزدیک عشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کٹ مرنا، وہ بلند ترین مرتبہ ہے۔ جو کسی مسلمان کو مل سکتا ہے۔ اس لئے موت پر غمگین ہونا تو درکنار، میرے لئے یہ خبر کہ پریوی کونسل میں میری اپیل نامنظور ہو گئی ہے انتہائی مسرت کا موجب ہے اور میں خوش ہوں کہ مشیت الٰہی نے اس زمانہ میں چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے مجھے اس سعادت کے لئے منتخب کیا۔ تمام مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ میرے جنازہ پر آنسو نہ بہائیں۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو جب علم الدین سے عزیز و احباب آخری ملاقات کے لئے گئے تو انہیں جیل والوں سے معلوم ہوا کہ علم الدین آج بہت خوش ہیں انہوں نے ملاقات کے دوران پُوچھا تو علم الدین نے کہا کہ میں نے دعا مانگی تھی کہ حضرت موسیٰؑ کا دیدار نصیب ہو اور آج وہ مجھے خواب میں ملے اور پُوچھا کہ علم الدین کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا حضرت! آپ کلیمُ اللہ ہیں۔ خدا سے دعا کریں کہ میں نے اپنے والد کے حکم سے جو عدالت میں جبراً جھُوٹ بولا ہے کہ میں نے راج پال کا قتل نہیں کیا۔ وہ گناہ معاف کر دے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ تیرا گناہ معاف کر دیا گیا ہے اور آج میں اسی وجہ سے بہت خوش ہوں۔

اور پھر علم الدین نے اپنے عزیزوں کو دو دو گھونٹ پانی بھی اپنے ہاتھ سے پلایا اور طالعِ مند سے کہا کہ خوب سیر ہو کر پانی پی لیں اور جب وہ پانی پی چکے تو آپ نے سب سے دریافت کیا کہ آپ کو اس سے ٹھنڈک پہنچی ہے۔ سب نے کہا ہاں پہنچی ہے تو علم الدین نے کہا خدا کی قسم میرا کلیجہ بھی ویسا ہی سرد ہے اور میرے بعد تم میں سے جو بھی مجھ پر روئے گا۔ وہ میرا دشمن ہو گا۔

علم الدین نے اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے اپنا دودھ بخش دیں۔ ماں کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو دیکھ کر آپ نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ ماں تُو، تو خوش نصیب ہے اور تجھے تو خوش ہونا چاہئے کہ تیرے بیٹے کو ایسی موت نصیب ہو رہی ہے، جس کے لئے ہر مسلمان آرزو رکھتا ہے۔ یہ تو خدا کی دَین ہے اور آخر میں کہا کہ منشی طاہر الدین کو ان کے ملنے والوں کو میرا اسلام دینا اور پھر آخری ملاقات کا وقت بھی ختم ہو گیا۔

علم الدین نے سپرنٹنڈنٹ جیل میانوالی کو بھی آخری وصیعت لکھوائی جو اس نے کمشنر کی معرفت طالع مند کو پہنچائی۔ اس میں لکھا تھا کہ میرے سب رشتہ داروں کو تاکید کر دی جائے کہ میرے پھانسی لگ جانے سے ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک کو اس کا اپنا عمل ہی دوزخ سے بچائے گا۔ نماز قائم کریں۔ احکامِ شرعی کی پابندی کریں اور زکواۃ دیں۔

بھائی محمد دین اور بھائی غلام محمد! تم پر کسی نہ کسی وقت مصیبت نازل ہوگی اس واسطے ہر نماز کے بعد یا مزمّل کا ورد ضرور کرنا۔

مزار کی تیاری کے متعلق لکھوایا کہ میری قبر کا فرش دو فٹ اونچا اور تیس فٹ مربع ہو۔ میری قبر کا کٹھرہ جو سب تھڑے کے اردگرد ہو، سوا دو فٹ اونچا ہو۔ تمام سنگ مرمر کا بنایا جائے ایک جانب سے ۲/۲۱ فٹ یا ۲/۳۱ فٹ کی جگہ کچی رکھی جائے۔

جس کے اردگرد جنگلہ لکڑی کا میرے والد بزرگوار کے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا لگایا جائے قبر اندر سے کچی رکھی جائے۔ صندوق میں دفن کرنے کی ضرورت نہیں، نیچے صرف ریت رکھی جائے، جو آدمی میرے بعد میرے خاندان سے وفات پائے اس کی قبر میرے دائیں ہاتھ بنائی جائے۔ بڑے تھڑے کے چاروں کونوں پر گلاب کے پودے لگائے جائیں باہر کی طرف دو کوٹھریاں بنائی جاویں اور کنواں بھی تعمیر کیا جائے اور مسجد وہاں بنائی جائے اور اس کا فرش میری قبر کے فرش سے کسی حالت میں کم نہ ہو۔

جب مجھے دفن کر چکو تو دو رکعت نفل نماز شکرانہ اور دو نفل مغفرت کے واسطے ادا کرنا۔ میری لاش کے ہمراہ فساد نہ کیا جائے اور امن و امان کی تلقین کی جائے۔ میری لاش کے ساتھ ذکرِ اللہ ضرور ہو مگر اس دوران سر سے پگڑی کوئی نہ اُتارے۔

جو میری قمیض عدالت میں پڑی ہے۔ وہ میرے ماموں سراج دین کو دی جائے اور میری شلوار بھائی محمد دین کو دی جائے۔ جو یہاں میرے چار کپڑے ہیں ان میں سے میری پگڑی میرے تایا کو دی جائے اور قمیض چھوٹے تایا نور الدین کو اور کُرتی جھنڈو برادر بھیجے کو دی جائے اور بھائیوں کو اسلام علیکم۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کا دن میانوالی کی تاریخ میں مہتمم بالشّان روز ہے۔ کیونکہ اس دن ہی میانوالی کی جیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حُرمت پر قربان ہونے والے عاشق رسولؐ شیر دل علم الدین

کو تختۂ دار پر کھینچ دیا گیا۔ اس روز علم الدین نے حسب معمول تہجد کی نماز پڑھی اور اس کے بعد نمازِ فجر پڑھی اور بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہی تھے کہ انہیں کسی کے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کمرے کے بند دروازے کے سامنے ہی کسی کے رُکنے کی آواز کے کھٹکے پر غازی صاحب نے جو اُدھر دیکھا تو داروغہ جیل کے ساتھ ایک اور شخص کو موجود پایا۔ پولیس کے چند مسلح جوان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپ کی سوالیہ نظروں کو پڑھتے ہوئے داروغہ کے ساتھ آنے والے مجسٹریٹ نے آپ سے کہا " وہ گھڑی آ گئی ہے تیار ہو جاؤ......... یہ نوید سُن کر وہ عاشقِ جانباز بولے......... میں بڑی خوشی سے تیار ہوں۔

آپ کو ہشاش بشاش دیکھ کر وہ مجسٹریٹ حیران رہ گیا اور پھر اُس نے عاشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پُوچھا......... کوئی حسرت......... کوئی آرزو......... کوئی وصیّت۔ آپ مسکرائے اور کہا " دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنی ہے .... مجسٹریٹ نے اجازت دے دی .... داروغۂ جیل کی آنکھوں میں شدتِ جذبات سے آنسو بہہ نکلے......... آپ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا تم گواہ رہنا کہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آخری آرزو کیا تھی۔ "

اس کے ساتھ ہی آپ نے معمول سے بھی کم وقت میں نماز شکرانہ ادا کی......... اتنی جلدی آخر کس لئے تھی! ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ بات ہی ہو کہ کہیں مجسٹریٹ یہ نہ تصوّر کر لے کہ محض زندگی کی آخری گھڑیاں طُول دینے کے لئے دیر کر رہا ہو!

داروغہ جیل نے بند دروازہ کھولا......... آپ اُٹھے اور مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے......... دایاں پاؤں کمرے سے باہر رکھتے ہوئے انہوں نے مجسٹریٹ سے کہا۔ چلئے دیر نہ کیجئے .... اس کے ساتھ ہی آپ تیز تیز قدم اٹھاتے تختہ دار کی جانب چل پڑے۔ جیل میں بند دوسرے قیدیوں کو بھی معلوم تھا کہ آج عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دار پر کھینچ دیا جائے گا ایک کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے آپ نے ہاتھ اٹھا کر ایک قیدی کو خدا حافظ کہا......... جواباً اس نے نعرہ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلند کیا......... تب جیل حکام اور مجسٹریٹ کو معلوم ہوا کہ جیل میں سبھی قیدی علم الدین کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ کلمۂ شہادت کے ورد سے فضا گونج رہی تھی .... علم الدین لحہ بھر کو رُکے......... مجسٹریٹ اور پولیس کے دستے کی طرف دیکھا ان کے لب ہلے اور پھر چل دیئے ان کی نظریں جیسے بقول یاد کاشمیری کہہ رہی تھیں۔

؎ سُوئے مقتل لے چلو اس دَور کا منصُور ہوں

تختہ دار کے قریب متعلقہ حکام کے علاوہ مسلح پولیس کے جوان بھی کھڑے تھے سب کی نظریں آپ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کی نظروں نے اس سے پہلے بھی کئی لوگوں کو تختہ دار تک پہنچتے دیکھا تھا۔

.... لیکن جس شانِ قوتِ ارادی سے انہوں نے علم الدین کو تختہ دار کی جانب بڑھتے دیکھا تھا، وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ جو "حیات" علم الدین کو نصیب ہونے والی تھی اس کا تو ہر مسلمان آرزومند رہتا ہے۔

سب اپنے اپنے مقام پر ساکت ہو گئے تھے .... لیکن علم الدین کے قدم تختہ دار کی طرف بڑھ رہے تھے .... اور پھر وہ اس مقام پر جا کر رُک گئے جہاں تک پہنچنے کی آرزو ان کے دل میں تھی .... مجسٹریٹ نے آپ سے آخری خواہش پوچھی تو آپ نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ پھانسی کا پھندا اپنے ہاتھوں گلے میں ڈالوں لیکن داروغہ جیل نے کہا کہ علم الدین یہ خودکشی کے مترادف ہو گا۔ تو آپ نے بھی اصرار نہ کیا اور پھر گویا ہوئے کہ میرے ہاتھ اور پاؤں نہ باندھے جائیں تا کہ شدید تر اذیت سے دوچار ہوں اور اسی کے صدقے مجھے اگلے جہاں محبوبِ خدا کا قُرب حاصل ہو سکے لیکن متعلقہ حکام نے آپ کی اس خواہش کو مسترد کر دیا۔

اور پھر آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے .... آنکھوں پر سیاہ پٹی اور سر پر ٹوپ چڑھا دیا گیا۔ اس دوران آپ نے وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں نے ہی حُرمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے راج پال کو قتل کیا ہے تم گواہ رہو کہ میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کلمۂ شہادت پڑھتا ہوا جان دے رہا ہوں" آپ نے کلمہ شہادت آواز بلند پڑھا اور پھر رہن دار کو بوسہ دیا۔ .... علم الدین حقیقت میں ہر اس شے کو مبارک سمجھتے تھے جو ان کو بارگاہِ حبیب میں پہنچانے کا ذریعہ بن رہی تھی۔

آپ کے گلے میں رسہ ڈال دیا گیا .... مجسٹریٹ کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا .... اور خفیف اشارے کے ساتھ ہی آپ کے پاؤں کے نیچے سے تختہ کھینچ لیا گیا .... چند لمحوں میں ہی آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ .... اس نے آپ کے جسم کو تڑپنے پھڑکنے کی بھی زحمت نہ ہونے دی گویا حضرت عزرائیل نے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جان ان کے جسم کے رسہ پر لٹکنے سے پہلے ہی قبض کر لی ہو اور انہیں پھانسی کی زحمت سے بچا لیا ہو۔

ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کی اور آپ کے لاشہ کو پھانسی کے تختے سے اتار لیا گیا .... اُدھر جیل کے باہر علم الدین کے والد طالع مند کے علاوہ سینکڑوں مسلمان اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ جیل حکام لاشہ ان کے حوالے کریں۔ لیکن اعلیٰ حکام نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ علم الدین کا لاشہ مسلمانوں کے حوالے نہ کیا جائے انہیں خطرہ تھا کہ وہ جلسے اور جلوس نکالیں گے جس سے حالات خراب ہو جائیں گے اور پھر اسی خطرہ کے پیشِ نظر جیل حکام نے علم الدین کو بنا غسل دیئے قیدیوں کے قبرستان میں ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ لحد پاٹنے کے لئے جو گھڑے منگوائے گئے تھے عُجلت میں وہ بھی باہر ہی دھرے رہ گئے اور صرف ایک کمبل ڈال کر گڑھا مٹی سے پُر کر دیا گیا۔

جیل کے باہر علم الدین کا لاشہ حاصل کرنے کے لئے آئے ہوئے لوگوں کو جب علم ہوا کہ علم الدین کو جیل حکام نے قیدیوں کے قبرستان میں ہی دفن کر دیا ہے تو وہ مشتعل ہو گئے .... نعرۂ رسالت .. .. یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علم الدین شہید زندہ باد کے نعرے گونج اٹھے .... اس سے پہلے کہ پولیس اس ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے اپنا روایتی انداز اپناتی ڈپٹی کمشنر زمان مہدی نے مسلمانوں کو اپنے طور پر مطمئن کیا اور یوں ہجوم منتشر ہو گیا۔

طالعِ مند نے تار دیا جس میں جیل حکام کی کارروائی اور نعش کی حوالگی سے انکار اور جیل کے قبرستان میں علم الدین کی تدفین کا ذکر کیا۔ اگلے روز "زمیندار" کا خصوصی ضمیمہ شائع ہوا۔ جس کی شہ سرخیاں تھیں ۔

"میاں علم الدین جنت میں جا پہنچے ، حکام نے ان کی نعش ان کے والد کی اجازت کے بغیر جیل کے احاطہ میں دفن کر دی۔ نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی۔ .... سرکار کی فرعونیت اور حکّام کے عدمِ تدبر کا شرمناک مظاہرہ"

حُرمتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر قربان ہونے والے علم الدین کے اس بیکسی سے دفن ہونے کی خبر جب مسلمانوں نے پڑھی تو اک طوفان اُٹھا .... ماتمی جلوس نکلے ، ہڑتالیں ہوئیں۔ جلسے منعقد ہوئے ، قراردادیں پاس ہوئیں اور مطالبہ کیا گیا کہ شہید کا لاشہ صندوق میں بند کر کے لاہور پہنچایا جائے مطالبہ منظور ہونے تک جلوس جاری رکھنے کا عزم کیا گیا اس دوران ہزاروں لوگ میانوالی پہنچ چکے تھے۔

جیل حکام نے اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ کہیں مشتعل ہجوم علم الدین کا لاشہ نہ نکال کر لے جائے پولیس کے مسلح دستے قبرستان میں متعین کر دیئے۔ قبرستان پر گیسوں کی روشنی کی گئی۔ شہید کے مزار پر جو چراغاں مسلمانوں نے کرنا تھا اس کا آغاز اللہ تبارک تعالیٰ نے حُکام کے ہاتھوں میانوالی میں ہی کرا دیا۔ اُدھر جیل کے قیدیوں نے (۲۱۰۰۰) مرتبہ درُود شریف پڑھ کر شہید کی روح کو ایصال ثواب سے خوش کیا۔

دوسری طرف مولانا ظفر علی خان کی تحریر نے مسلمانوں کے قلوب کو ایسا گرمایا کہ وہ علم الدین کا لاشہ حاصل کرنے کی خاطر مر مٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حقیقت میں مسلمان کو جتنی محبت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہے۔ اتنی نہ اپنی ذات سے ہے .... نہ اپنے والدین سے اور نہ ہی اپنی اولاد سے .... ان کے نزدیک حضورؐ کی ناموس پر مر مٹنا وہ سب سے بڑی سعادت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی غلام کے حصہ میں آ سکتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان معلوم نہ ہو ، ان کی ذات سے والہانہ عشق نہیں اس کا دعویٰ اسلام و ایمان ادعائے باطل ہے۔

میدانِ جنگ میں اگر اس کا حریف اس کے منہ پر تھوک دے تو وہ اسے معاف کر سکتا ہے۔ بر سبیل رجز اگر اسے گالیاں سنا دے تو وہ ان گالیوں کا بہ نظر اغماض دیکھ سکتا ہے۔ حالتِ نماز میں اگر کوئی دشمن اس کے جگر میں اپنا خنجر داخل کر دے تو وہ یہ وصیت کر سکتا ہے کہ جب تک میرے جسم میں بقدر ایک رمق کے بھی جان باقی ہے اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کیا جائے' جسے اِنتقام پر معمول کیا جا سکے اور جب میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے تو میرے قاتل سے قصاص لینے میں میرے وارث مختار ہیں۔

لیکن عشقِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسلمان کے قلب کا نازک ترین گوشہ ہے اور اگر اس پر کوئی چرکہ لگائے تو پھر اسے مجال صبر نہیں.......... اور جو کچھ اس سے ہو سکے وہ نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر کر گزرتا ہے۔

علم الدین نے جو کچھ کیا' عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جذبہ بے پناہ کے تحت کیا' دنیا انہیں دیوانہ یا مجنوں کہے' تو کہا کرے' عشق جنون ہی تو ہے اور ہمیں اس امر کا اعتراف ہے کہ جس حد تک عشق مصطفیٰ کا تعلق ہے۔ یہ دیوانگی ہر مسلمان کا سرمایہ حیات اور وثیقۂ حیات ہے اور اس کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام دنیا جہاں کی فرزانگیوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

غازی علم الدین شہید نے اپنی جان شریں قربان کر کے تعبد زار ہند کی نیلی چھت کے نیچے رہنے والوں کو بتا دیا کہ جب تک اس سر زمین میں پیشوایان ادیان مذہب کی عزت محفوظ نہیں' اس وقت تک وہ امن جس کا خواب ہندوستانی رہنما دیکھ رہے ہیں ایسا لفظ ہے جو شرمندہ تعبیر معنی نہیں.......... اور اپنے خون سے ہند کے در و دیوار پر یہ کبھی نہ مٹنے والے الفاظ لکھ دیئے کہ

"یہ سرزمین حقیقی امن سے اس وقت تک متمتع نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں بسنے والے انسانیت کبریٰ کے اُس سب سے بڑے ہمدرد اور فطرتِ انسانی کے اُس سب سے بڑے راز دان کا ادب کرنا نہ سیکھیں جس نے اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم دے کر تمام انبیاؑ و مرسلین اور تمام مقتدایان مذہب کی عزت و ناموس کو محفوظ کر دیا' کہ راج مسکوں کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کے رہنے والوں کو ہدایت کے لئے کسی نہ کسی زمانہ میں خدائے بزرگ و برتر نے کوئی مامور یا مرسل نہ بھیجا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس تعلیم کی رُو سے فرزندانِ اسلام تمام مذہبی پیشواؤں کا احترام کرنے پر مجبور ہیں اور اس کے عوض میں وہ یہ توقع رکھنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ دوسرے مذاہب کے پیرو ان کے آقاء مولا کا احترام کریں۔

اُدھر لاہور میں ۱۳۱ اکتوبر کو مسلمانوں کا جو جلوس ننگے سر لاہور کے بازاروں اور گلیوں میں پھر رہا تھا۔ وہ بھاٹی دروازے سے نکل کر بلدیہ کے باغات میں سے ہوتا ہوا موری گیٹ 'لوہاری گیٹ اور شاہ عالمی
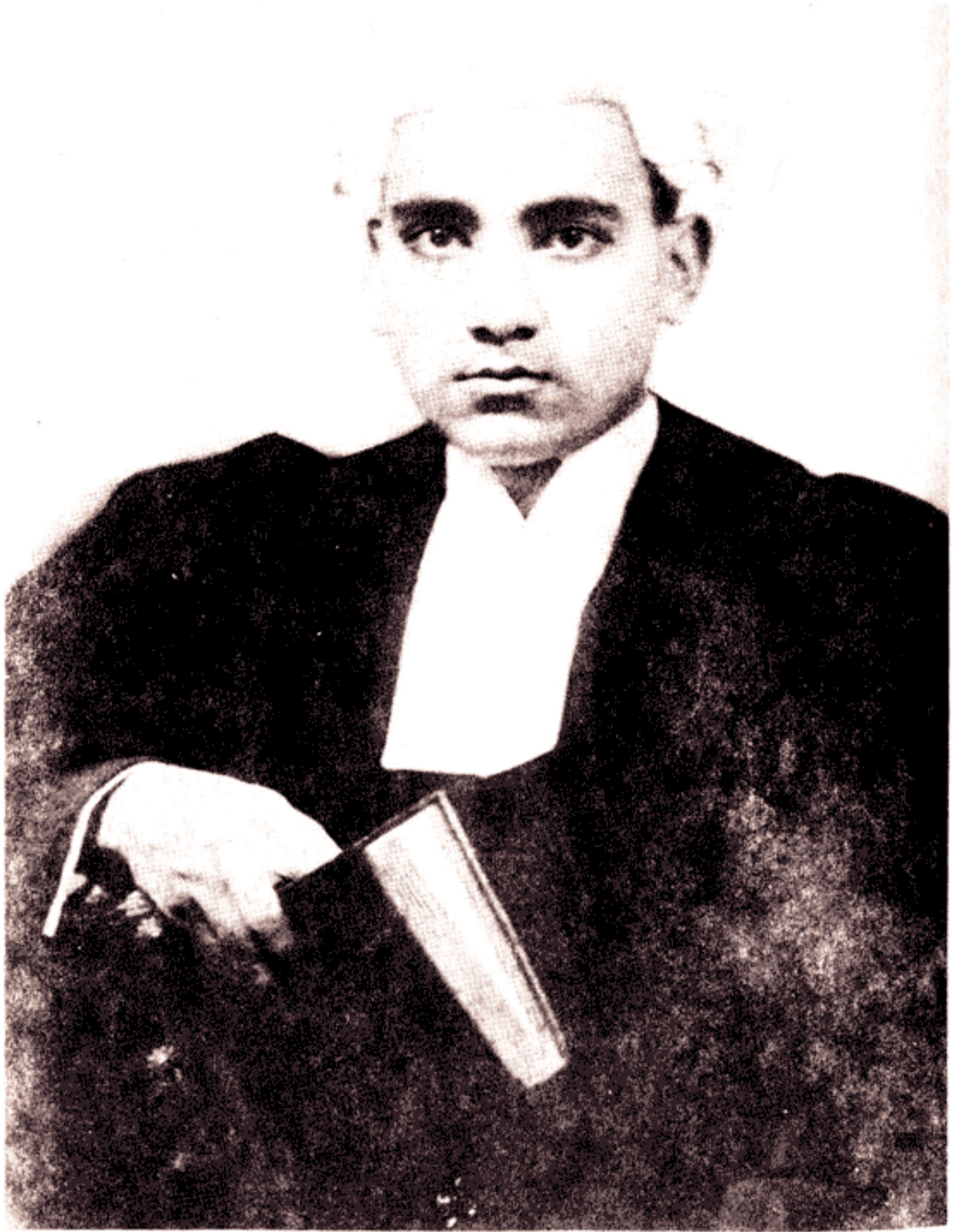
فرخ حسین بیرسٹر

دروازوں کے سامنے سے گزرتا ہوا موچی دروازہ پہنچا جہاں بہت بڑا جلسہ ہوا اور متعدد مقررین نے خطاب فرمایا تمام مسلمانوں نے دکانیں بند کر رکھی تھیں اور اکثریت روزے سے تھی۔

اور پھر ایک ' وفد جو سر شفیع ، علامہ اقبال ' میاں عبدالعزیز ' مولانا غلام محی الدین قصوری پر مشتمل تھا۔ گورنر پنجاب سے ملا اور نعش کی حوالگی کا مطالبہ کیا ڈپٹی کمشنر اور کمشنر لاہور نے بھی مسلمانوں کے جذبات کا پاس کیا اور جائز مطالبہ پر ہمدردی کا اظہار کیا تب گورنر پنجاب نے نعش کی حوالگی کے لئے شرائط پیش کیں کہ۔

موجودہ ایجی ٹیشن کو بند کیا جائے ' اخبارات ایسی خبریں اور مضامین شائع نہ کریں جن سے حالات خراب ہوں جلسے اور جلوس روک دیئے جائیں نعش لے کر لاہور شہر کے اندر جلوس نہ نکالا جائے اور جنازہ میں شریک لوگ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے کسی خاص قوم کو ٹھیس لگے اس پر وفد نے کہا کہ اگر ہمیں حکومت نعش کی حوالگی کا یقین دلاتی ہے تو ہم مسلمانوں سے اپیل کریں گے کہ وہ ایجی ٹیشن بند کر دیں۔ گورنر نے وعدہ کر لیا اور راستے کی تجویز اور دیگر شرائط پر غور کرنے کے لئے ۷ نومبر کی شام تک کا وقفہ حاصل کیا گیا۔ ۷ نومبر شام چھ بجے مسلم وفد نے پھر گورنر سے ملاقات کی۔ جس میں یہ طے پایا کہ نعش کی حوالگی کی اطلاع مسلمانوں کو بیس گھنٹے پہلے دی جائے اور مسلمان مجسٹریٹ نعش میانوالی سے لاہور لائے۔

۱۳ نومبر کو لاہور کے دو میونسپل کمشنر اور ایک مسلمان مجسٹریٹ نے غازی علم الدین شہید کی میت میانوالی جیل کے قبرستان میں کھودے گئے گڑھے سے نکلوائی۔ دفن ہونے کے تیرہویں دن نعش نکالی گئی تھی ' لاشہ کو لاہور لے جانے کیلئے صندوق بنوایا گیا جسے سید مراتب علی شاہ گیلانی نے اپنی نگرانی میں بنوایا۔ صندوق کے اندر جست اور جست کے اوپر روئی لگوائی اور شہید کے جسم کے آرام کے لئے تکیے لگائے صندوق کو کافور سے خوشبو دار بنایا گیا۔ نعش گیلانی صاحب نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر صندوق میں رکھی۔

صندوق کو موٹر میں رکھ کر میانوالی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچایا گیا جہاں ایک سپیشل ٹرین میت کو لاہور لے جانے کے لئے پہلے سے تیار کھڑی تھی۔

سپیشل ٹرین میں ایک ڈبہ فرسٹ کلاس کا.......... ایک سیکنڈ کلاس اور دو بوگیاں لگائی گئیں تھیں۔ شام ساڑھے چار بجے سپیشل ٹرین میانوالی سے روانہ ہوئی اور راستے میں کسی مقام پر نہ ٹھہرتے ہوئے ایک بج کر چالیس منٹ پر لالہ موسیٰ سے گزری.......... صبح ۵ بج کر ۳۵ منٹ پر لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن پر پہنچ گئی اور پھر دریے نہر کے پُل پر جو سنٹرل جیل سے نزدیک ہے کھڑی کر لی گئی۔ وہاں جیل کی دو گاڑیاں پہلے ہی کھڑی تھیں۔ نعش سنٹرل جیل کے حکام کے حوالے کر دی گئی۔ انھوں نے پونے

سات بجے پونچھ ہاؤس کے سامنے وہ صندوق جس میں حُرمتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فدا کار لیٹا ہوا تھا۔ مسلمان معززین کے حوالے کر دیا اور رسید لے لی۔ علامہ اقبال' سر محمد شفیع اور چند ایک میونسپل کمشنر وہاں موجود تھے۔ وہاں سے سات بجے کے قریب میت جناز گاہ (چوبرجی) کے میدان میں لائی گئی۔

۱۴ نومبر مسلمانانِ پنجاب کی تاریخ میں ایک نہایت غیر معمولی دن تھا۔ گذشتہ روز شام کو میت کے آنے سے متعلق منادی ہوئی تھی لیکن لوگ منہ اندھیرے ہی چوبرجی کے چاند ماری کے وسیع میدان میں جمع ہونے لگے تھے۔ کیونکہ آج مسلمانوں نے اپنے شہید کی نمازِ جنازہ جس نے اپنی جان کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت وناموس پر پروانہ وار فدا کر دیا تھا۔ اس شان وشوکت سے ادا کرنا تھا کہ قیامت تک اس کے تذکرے ہوتے رہیں گے.........اور ایسا ہی ہو گا۔

پیغمبرِ خدا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حُرمت وناموس کے محافظ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام لیوا' اور اس ذات پاک کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان کسی جوش وخروش کے اظہار کے بغیر ہی میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ شہر کے تمام مُسلم اکابر' تمام میونسپل کمشنر اور اخبارات کے ایڈیٹر وہاں موجود تھے۔

دوسری طرف اعلیٰ حُکام نے حالات کو کنٹرول میں رکھنے کی غرض سے تمام بڑی شاہراہوں' چوراہوں اور شہر کے اہم مقامات پر پولیس اور فوج کی بھاری جمعیت تعینات کر رکھی تھی۔ گورا پلٹن' سول لائن اور شہر کے اہم مقامات پر کسی بھی خطرہ سے نپٹنے کے لئے تیار بیٹھیں تھیں۔ ڈاک خانہ اور تار گھر کے قریب مشین گنیں رکھی ہوئی تھیں۔ سرکاری گاڑیاں جن میں مُسلم جوان سوار تھے سڑکوں پر گشت کر رہی تھیں۔ حفظِ امن کی خاطر انار کلی' مزنگ' لکشمی چوک' شاہ عالمی' بھاٹی' لوہاری' میکلوڈ روڈ' سوتر منڈی' چوک متی' پاپڑ منڈی' چوک رنگ محل' لنگے منڈی' ڈبی بازار' کشمیری بازار' پرانی کوتوالی' بڑی کوتوالی' راج گڑھ' پریم نگر' کرشن نگر' ٹکسالی میں پولیس کے دستوں کے علاوہ ہندو' مسلمان معززین کی ڈیوٹیاں لگا دی تھیں تاکہ کوئی شرارت نہ کر پائے۔ جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ الفاظ کا کوئی ذخیرہ ادب کا کوئی خزینہ' قوتِ بیان کی کوئی وُسعت اور استدادِ اظہارِ حقائق کی کوئی پنہائی اس منظر کا نقشہ اتارنے میں ساز گار نہیں ہو سکتی یہ کہنا کہ وہاں لاکھوں مسلمان جمع ہوئے اور ہر شخص کا قلب' ہر شخص کی زبان' ہر شخص کی آنکھیں شہیدِ حُرمت سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عقیدت سے لبریز تھیں۔ اس منظر کی روح افروزی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

علی الصبح مولانا سید حبیب کے پہنچنے پر علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے یہ سوال کیا کہ جنازہ کون پڑھائے گا۔ کہا گیا کہ شہید مرحوم کے باپ طالع مند سے پوچھو انہوں نے یہ حق علامہ اقبال کو دیا۔ جنھوں نے سید صاحب کے ایما پر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ صاحب کا اسمِ گرامی لیا۔ مگر وہ تشریف

نہ لائے تھے اور کہا گیا کہ فیصلہ جلد ہو۔ اس پر قاری محمد شمس الدین صاحب کا نام لیا گیا جو مسجد وزیر خان کے خطیب تھے۔ اس کے بعد مولانا دیدار شاہ صاحب معہ مولانا احمد شاہ صاحب تشریف لائے آپ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو ہوا ہے خوب ہوا ہے۔ مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے۔ نماز جنازہ اول مرتبہ قاری محمد شمس الدین نے پڑھائی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب جنازہ اٹھایا گیا ہزار ہا لوگ کندھا دینے کے اشتیاق میں آگے بڑھے۔ بہت سے لوگ جو کندھے دینے سے محروم رہے انہوں نے اپنی پگڑیاں تابوت کے بانسوں میں ڈال لیں جن کو سینکڑوں لوگوں نے تھام رکھا تھا چند ایک بد باطن اشخاص نے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی مگر مولانا ظفر علی خان، حکیم احمد حسن اور دیگر رضا کار اور علم الدین کمیٹی کی مساعی نے نظام کو دُرست کر دیا۔ مسلمان کلمہ شہادت اور درود شریف پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ لوگ نہایت امن و سکون کے ساتھ میانی صاحب کی طرف جا رہے تھے۔ گاہے بگاہے اللہ اکبر' غازی علم الدین زندہ باد' اسلام زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے تھے۔

جنازہ قبرستان تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے باوجود بھی لوگ دُور دُور سے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ جہاں تک نظر کام کر سکتی تھی دُور تک آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آ رہا تھا۔
جنازہ اُٹھنے کی جگہ سے لے کر تمام راستہ میں اور میانی صاحب میں مستورات ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں جو اونچے ٹیلوں اور چھتوں پر بیٹھیں کلمہ پڑھ رہی تھیں۔

جنازہ لانے سے قبل میاں طالعُ مند والد علم الدین شہید میانی صاحب قبرستان میں آئے لوگ ان کے گرد پروانہ وار گر رہے تھے۔ آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار تھے۔

جنازہ میانی صاحب میں پہنچا وہاں ہزار ہا لوگ موجود تھے راستہ بھر لوگ مُٹھیاں بھر بھر کر پھول جنازہ پر پھینک رہے تھے۔ کئی گڈّے پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ جو مفت پُھول تقسیم کر رہے تھے۔

قبر نہایت صاف سُتھری بنائی گئی تھی۔ لوگ پُھول لا لا کر قبر میں پھینک رہے تھے۔ یہاں تک کہ پُھولوں کا ایک زبردست فرش بچھ گیا۔ نعش قبر میں اتاری گئی۔ --------- اس وقت تمام ہجوم کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے لاتعداد پُھول اور ہار قبر میں پھینکے اس کے بعد فاتحہ پڑھی گئی یعنی مٹی ڈال دی گئی۔

علم الدین کمیٹی کے رضا کار اس تمام عرصے میں نہایت جانفشانی سے کام کرتے رہے انہوں نے تمام گمشدہ چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور اعلان کر دیا کہ اگر کسی کی چیز کھو گئی ہو تو کل علم الدین کمیٹی

کے دفتر میں آکر لے سکتا ہے۔ ان کو بہت سی چیزیں دستیاب ہوئیں۔

قبر پر مٹی پڑ جانے کے بعد بھی لوگ ہزارہا کی تعداد میں آ کر پھول چڑھا رہے تھے اور دوسرے شہروں کے لوگ بھی بھاگے چلے آ رہے تھے۔ علم الدین کمیٹی کے رضا کار امیر بخش پہلوان کی معیت میں اپنے دفتر کو چلے گئے۔

سر محمد شفیع 'ڈاکٹر سر محمد اقبال' مولانا ظفر علی خان 'ملک لال خان قیصر' غلام مصطفیٰ حیرت 'حکیم احمد حسن (جنھوں نے ہجوم کو قابو میں رکھنے کی انتہائی کوشش کی) کی خدمات قابل استحسان ہیں۔ معلوم ہوا کہ حکیم صاحب کو رات دیر سے نعش ملنے کی اطلاع ملی آپ فوراً اسٹیشن پہنچے لیکن گاڑی نہ مل سکی تمام رات آپ نے اسٹیشن پر جاگ کر گزاری اور پہلی ٹرین پر لاہور پہنچ گئے دو تین ہزار کے قریب لوگ امرتسر سے آئے ہوئے تھے۔

شہر لاہور میں اس دن تمام مسلمان دکانداروں نے مکمل ہڑتال کی ہوئی تھی۔ میوہ منڈی' سبز منڈی' قصاب منڈی' بالکل بند رہیں تمام سکولوں کے طلباء اور مسلمان ملازمین نے دفاتر میں بھی تعطیل کی اور جنازہ میں شرکت کی۔

۱۸ نومبر کو سر محمد شفیع اور چھ دیگر ممتاز مسلمانوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو مندرجہ ذیل بیان دیا۔
چونکہ میاں علم الدین شہید کی میت حکام نے ہمارے حوالہ کر دی اور شہید کی وصیت کے مطابق امن اور بغیر کسی ناگوار واقعہ کے میانی صاحب میں سپرد خاک کر دی گئی۔ ہم مسلم قوم کی طرف سے ہز ایکسیلینسی سر جافرے ڈی مونٹ مورنسی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ازراہِ عنایت ہمارے وفد کی اس درخواست کو منظور کر لیا کہ میت لاہور میں دفن کرنے کے لئے ہمارے حوالہ کر دی جائے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے دور اندیشانہ یہ فعل نہ صرف اہل وفد بلکہ تمام مسلم قوم کے لئے عمیق اطمینان کا موجب ہوا ہے۔ جنازہ کے موقعہ پر مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع نے جس بردباری کا ثبوت دیا ہے تمام جماعتوں اور فرقوں کے باشندگان لاہور اس کی تعریف کرتے ہیں۔
اس اعلان پر دستخط کرنے والے اکابر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ سر محمد شفیع ' ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال' خلیفہ شجاع الدین میاں عبدالعزیز' میاں امیر الدین' سید محسن شاہ ملک محمد حسین اور مولوی غلام محی الدین

علم الدین...... جنھیں ۶ اپریل ۱۹۲۹ء سے پہلے ان کے عزیزوں' دوستوں اور محلے کے چند لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب ہر ایک جانتا پہچانتا ہے۔ کوئی عاشق رسولؐ نام رکھتا ہے۔ کوئی غازی اور کوئی شہید کہتا ہے۔ علم الدین نے ثابت کر دیا ہے کہ محبت رسولؐ کا مقام عابدوں اور زاہدوں کا دل ہی

نہیں بلکہ جس پر رحمت العالمین کی نظر کرم ہو جائے۔

اس دوران خدا معلوم کتنے من پھول اور کتنے من عرق گلاب شہید علم الدین کی نذر کیا گیا۔ غازی علم الدین شہید کا بظاہر خاموش جسم مگر حقیقتاً ہمہ تن گویا وجود گواہی دے رہا تھا کہ جب تک فرزندانِ توحید میں قربان ہونے والے باقی ہیں۔ ان کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حُرمت کو کوئی اندیشہ نہیں۔ یہی ہے وہ زندگی جو موت کی دسترس سے باہر ہے۔ جس پر سارے فرزندانِ توحید گواہی دے رہے تھے۔

دستاویزات

نمبر ۲۴

فرد قرار داد جرم جس میں ایک الزام ہو -

(دیکھو دفعات ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ مجموعہ ضابطہ فوجداری)

جرم مقدمہ

سرکار بنام علم الدین

میں .... ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اس تحریر کے رو سے تم علم الدین ملزم

پر حسب تفصیل ذیل الزام قائم کرتا ہوں

کہ تم نے تاریخ ۶ ماہ اپریل ۱۹۲۹ء کے قریب بموقعہ ... پر

تم نے ... راجپال کو ... قتل کیا۔

لہٰذا تم اس جرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ

302 میں مقرر ہے اور جو عدالت سیشن کی سماعت کے لائق ہے

اور میں اس تحریر کے ذریعہ حکم دیتا ہوں کہ تمہاری تجویز بربنائے الزام مذکور عدالت

موصوف کے (یا ہائیکورٹ) روبرو عمل میں آئے۔

عدالت صاحب مجسٹریٹ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ ... ضلع

مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۲۹ء

(دستخط)

صاحب مجسٹریٹ درجہ

ADDITIONAL DISTRICT MAGISTRATE LAHORE

مہر عدالت صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور

فرد جرم ملزم کو پڑھ کر سنایا گیا اور سمجھایا گیا 24/6/29

ملزم کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے گواہان صفائی کی فہرست کل ۱۰ بجے تک پیش کرے

کل پیشی ہو۔ تحریر 24/6/29

Read out admitted in evidance and added to Sessions file.

14/5/29

Sessions Judge

بیان ملزم بعدالت 24/6/29

علم الدین ولد طالع مند قوم ترکھان عمر 18 سال پیشہ ترکھان ساکن لاہور بازار سرپانوالہ
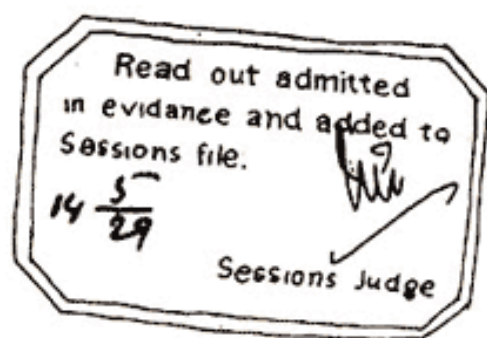
سوال کیا تم نے 6/4/29 کو بوقت قریب دو بجے بعد دوپہر راجپال (مقتول) پر چھرا 1/0 سے حملہ کیا۔ اس نیت سے کہ اسکو قتل کیا جاوے اور اسکے تم نے راجپال کی سینہ پر ایک گہرا زخم لگایا۔ جس سے راجپال بروقت وقوعہ ہلاک ہوگیا۔

جواب نہیں

سوال کیا تم موقعہ سے بھاگ گئے اور تم کو وقوعہ سے فوراً بعد ودیا رتن کو ... کے ہمراہ [illegible] کے نزدیک گرفتار کر لیا گیا؟

جواب میں سبزی منڈی کی طرف سے آرہا تھا۔ اور مجھے اس [illegible] کے نزدیک سے پکڑ لیا گیا

سوال کیا جس آدمی نے تم کو گرفتار کیا تھا۔ انکو تم نے کہا تھا کہ میں چور نہیں ہوں۔ میں نے رسول کا بدلہ لیا ہے؟

جواب نہیں۔ میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ میں چور نہیں ہوں

سوال کیا پارچات قمیض 6/0 اور تہمد 8/0 تمہارے بدن سے تمہاری گرفتاری کے کچھ دیر بعد اتروائے گئے تھے

جواب قمیض میری ہے اور میرے بدن سے اتروائی گئی تھی۔ تہمد میری نہیں ہے اور میرے بدن سے نہیں اتروایا گیا

سوال کیا تم نے چھرا 1/0 اس روز قتل آتما رام [illegible] سے 12 [illegible] خریدا تھا؟

جواب نہیں

سوال: تمہارے برخلاف یہ مقدمہ کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب: میں بالکل بیگناہ ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کیوں یہ مقدمہ میرے برخلاف بنایا گیا ہے۔

سوال: کچھ اور بیان کرنا چاہتے ہو؟

جواب: نہیں

علم الدین

تصدیق کیا جاتا ہے کہ بالا بیان ملزم کا پورا اور صحیح بیان ہے

سماعت میں لیا گیا اس نے اسے صحیح تسلیم کیا۔

Read out admitted in evidance and added to Sessions file.

16 5/29

Sessions Judge

گواہوں کے بیانات

قیدی نمبر ا

نام علم الدین ولد طالع مند عمر ۱۸ سال ذات ترکھان سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور پیشہ ترکھان
میں نے کو میٹنگ مجسٹریٹ کے روبرو اپنے بیان کو سن لیا ہے۔ یہ درست ہے۔
سوال = کیا تم نے مزید کچھ اور کہنا ہے؟
جواب = جب مجھے پکڑا گیا اس وقت مجھے بہت مارا پیٹا گیا اور جب پولیس لائن پہنچایا گیا تو وہاں مجھ پر سخت تشدد کیا گیا۔ کسی بھی شخص نے میری بات کو نہیں سُنا مجھے شناخت پریڈ سے پہلے پگڑی اور جُوتے کا جوڑا دیا گیا۔ میں نے ان کو پہن لیا لیکن انسپکٹر جواہر لال نے (اس کی طرف ملزم نے اشارہ کیا) مجھے انہیں اتارنے کو کہا میں نے ایسا ہی کیا جب مجسٹریٹ آیا تو مجھے دوسرے افراد کیساتھ پریڈ میں شامل کیا گیا۔ پریڈ میں شامل میرا نمبر دوسرا تھا اور میرے ساتھ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ گواہ (حوالہ آتمارام) آیا اور اس نے اپنا ہاتھ میرے اوپر رکھ دیا۔
اسی روز صبح ۹ بجے جب میں حوالات میں کھانا کھا رہا تھا تو انسپکٹر جواہر لال گواہ آتمارام کیساتھ وہاں آیا تھا۔ انسپکٹر نے مجھے پینے کیلئے سگریٹ پیش کیا جو میں نے پی لیا۔ شناخت کے وقت میں نے فقط پگڑی پہنی ہوئی تھی جبکہ پریڈ میں شامل دوسرے افراد نے پگڑیاں نہیں پہنی ہوئی تھیں۔ دوسروں نے جوتے پہنے ہوئے تھے جبکہ میں ننگے پاؤں تھا جب پولیس لائن میں ڈاکٹر میرا معائنہ کر رہا تھا تو اس وقت انسپکٹر جواہر لال نے مجھے کہا تھا کہ میں اپنی دائیں کہنی اور بائیں گھٹنے پر جو زخم ہیں ڈاکٹر کو نہ دکھاؤں مجھے یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے یہ زخم ڈاکٹر کو دکھائے تو بعد میں سخت تشدد کیا جائیگا۔ جب مجھے پکڑا گیا تو ہندوؤں نے بہت مارا تھا اور مجھے ایک ترازو کے کنڈے کی طرف دھکیلا گیا جس کی نوک سے میری کہنی اور گھٹنے میں کیل لگنے سے زخم آ گئے تھے۔ پولیس نے بھی مجھ پر تشدد کیا اور بری طرح پیش آئی اس کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں کہنا ہے۔
سوال = تمہاری کہنی اور گھٹنے پر جو زخم آئے تھے کیا اس میں سے خون بہا تھا؟
جواب = جی ہاں!
سوال = جب تم کو ہندوؤں نے پکڑا تو کیا تم نے قمیض شلوار پہن رکھی تھی؟
جواب = میں نے قمیض پہن رکھی تھی۔ شلوار نہیں پہنی ہوئی تھی۔ میں نے دوسری پتلون پہنی ہوئی تھی جو پھٹ گئی تھی۔
سوال = کیا تم نے اپنے دفاع میں کوئی گواہ عدالت میں پیش کرنا ہے؟
جواب = نہیں

جب ملزم کو بیان پڑھ کر سنایا گیا تو اضافہ کیا

جب مجسٹریٹ شناخت پریڈ کیلئے آیا تو میں نے اس سے بہت شکایت کی لیکن کسی نے بھی میری بات کو نہیں سنا۔

۱۶ ــــ ۵ ــــ ۱۹۲۹

سیشن کورٹ کے قیدیوں کی رائے

کراؤن بنام علم الدین

مقدمہ اب ختم کیا جاتا ہے۔ قیدیوں نے اپنی رائے مندرجہ ذیل دی ہے۔

۱۔ فیروز دین...... میری رائے میں مُلزم پر جرُم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ محمد سلیم...... میں اوپر کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

۳۔ بھلامل...... میرے خیال میں مُلزم پر جرُم ثابت ہو گیا ہے۔

۴۔ جماعت سنگھ...... میں ملزم کو مجرم سمجھتا ہوں۔

سیشن جج لاہور

۱۶-۵-۱۹۲۹ء

فیصلہ تاریخ ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء

بغیر بیان حلفی کے ملزم کا بیان

علم الدین ولد طالع مند ذات ترکھان عمر ۱۸ سال سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور

سوال نمبر ۱ = کیا تم نے مورخہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو بوقت دو بجے دوپہر مقتول راجپال پر قتل کرنے کی نیت سے عدالت میں موجود چاقو سے حملہ کیا تھا اور کیا تم نے مقتول کی چھاتی میں ایک گہرا زخم لگایا تھا جو اس کی موت کا سبب بنا؟

جواب = نہیں۔

سوال نمبر ۲ = کیا تمہارا جائے وقوع سے فرار کے بعد تعاقب کیا گیا تھا اور تم کو واردات کے فوراً بعد ودیارتن (گواہ نمبر ۲) کے ٹال سے گرفتار کیا گیا تھا؟

جواب = میں سبزی منڈی کی طرف سے آ رہا تھا اور لکڑی کے ٹال کے نزدیک مجھے بغیر وجہ کے پکڑا گیا۔

سوال نمبر ۳ = کیا تم نے گرفتار کرنے والوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کوئی چور نہیں ہو اور تم نے راجپال کو اس لئے قتل کیا تھا کہ اس نے تمہارے رسولؐ کے بارے میں کچھ کہا تھا؟

جواب = نہیں۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں چور نہیں

سوال نمبر ۴ = کیا یہ شلوار اور قمیض جو قتل کے بعد تمہارے جسم سے اتروائی گئی تمہاری نہیں ہے۔

جواب = یہ قمیض میری ہے اور میرے جسم سے اتروائی گئی تھی لیکن یہ شلوار میری نہیں ہے اور نہ ہی مجھ سے لی گئی۔

سوال نمبر ۵ = کیا تم نے قتل والے دن یہ چاقو آتمارام (گواہ نمبر ۱۲) کی دکان سے خریدا تھا؟

جواب = نہیں

سوال نمبر ۶ = تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں درج کیا گیا؟

جواب = میں بے گناہ ہوں اور میں نہیں سمجھ سکتا ہوں کہ مجھے اس جرم کے تحت کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۷ = کیا تم نے کچھ اور کہنا ہے؟

جواب = کچھ نہیں۔

اے ڈی ایم لاہور

۱۹۲۹ء۔ ۴۔ ۲۴

آتمارام کا دوبارہ بیان بذریعہ عدالت

میں پریڈ میں شریک کسی بھی شخص کو پہلے سے نہیں جانتا تھا۔

جرح

وکیل گواہ سے کچھ دوسرے اہم نکات کی روشنی میں جرح کرنا چاہتا ہے لہٰذا میں صرف مذکورہ سوال کی روشنی میں سوال کرنے کی اجازت دوں گا۔

اس گواہ کو دوسری بار بلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ لالہ ملکھ راج مجسٹریٹ کے بیان کی تصدیق کرنی ہے آیا گواہ پہلے سے ان چھ افراد میں سے کسی ایک کو جانتا تھا یا نہیں لہٰذا وکیل کو صرف یہ جان لینا چاہئے کہ گواہ کمرہ عدالت میں موجود تھا جبکہ مجسٹریٹ اپنی گواہی دے رہا تھا۔

سیشن جج

۲۹۔ ۵۔ ۱۵

گواہ نمبر ۲

کیدار ناتھ ولد پنڈت براج لال عمر ۲۲ سال ذات برہمن سکنہ لاہور (مقتول کا ملازم)

شہادتی حلفی بیان ۔ گواہی

میں نے مقتول کی تین سال ملازمت کی ہے ۔ میں اس کی کتابوں کی دکان واقع ہسپتال روڈ پر بطور کلرک ملازم تھا۔ مقتول اپنی دکان کے سامنے مکان میں رہتا تھا۔ اس کی دکان میں چار آدمی کام کرتے تھے جن کے نام اس کا بھائی سنت رام، بھگت رام، امرناتھ اور میں تھا۔ گذشتہ سال ۶۔اپریل کو دو بجے دوپہر میں اندرونی برآمدے میں بیٹھا کام کر رہا تھا جبکہ مقتول باہر والے برآمدے میں بیٹھا ہوا اپنی گدی پر کام کر رہا تھا۔ بیرونی برآمدے کے دو دروازے ہیں اس وقت دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے ۔ میں کتابوں کے ان پارسل پر پتے لکھ رہا تھا جن کو بذریعہ ڈاک بھیجنا تھا جبکہ مقتول خط لکھ رہا تھا۔ میرا منہ باہر کی طرف تھا۔ میں نے ایک آدمی کو اندر آتے دیکھا جس نے مقتول کو چاقو سے دو یا تین ضربات لگائیں۔ مقتول اور میں نے شور بلند کیا۔ میں نے مقتول کے سینے پر ایک وار کرتے ہوئے دیکھا۔ میں کھڑا ہو گیا اور چند کتابیں اٹھا کر قاتل پر پھینکیں۔ میرے، مقتول اور حملہ آور کے درمیان تین یا چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ حملہ آور نے جس چاقو سے حملہ کیا تھا اس کو اندر پھینکا اور دکان سے باہر سڑک پر دوڑ گیا۔ میں اس کے پیچھے دوڑا۔ حملہ آور ہسپتال کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑا ۔ بھگت رام بھی اسی برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا جس میں مقتول بیٹھا ہوا تھا۔ وہ وہاں کام کر رہا تھا اس نے بھی میرے ساتھ حملہ آور کا تعاقب کیا مقتول کی کتابوں کی دکان کے آگے نانک چند کپور کی دکان ہے اور دوسری طرف پرمانند کی پیپر کی دکان ہے نانک چند اور پرمانند نے جب ہماری چیخ و پکار کو سنا تو وہ بھی ہمارے ساتھ حملہ آور کے تعاقب میں شریک ہو گئے ۔ میں حملہ آور کے تعاقب میں برابر شور مچا رہا تھا پرمانند حملہ آور کے بالکل پیچھے تھا تا کہ وہ اس کو پکڑ لے ۔ حملہ آور سیتا رام کے تیل کے ڈپو میں داخل ہو گیا ہمارے اور اس کے درمیان ایک یا دو قدم کا فاصلہ تھا۔ سیتا رام مر گیا ہے اور اب اس کا کاروبار اس کا بیٹا ودیا رتن کر رہا ہے ۔ ودیا رتن نے جب شور سنا تو وہ اپنے دفتر سے باہر آیا۔ ودیا رتن نے حملہ آور کو روکا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔ وہ شخص جس کو ہم نے پکڑا وہ ملزم عدالت میں موجود ہے ہم اس کو مقتول کی دکان پر واپس لائے جب ہم نے ملزم کو پکڑا تو اس نے کہا میں چور یا ڈاکو

نہیں ہوں بلکہ میں نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے ۔ ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد وہاں پر پولیس افسران آگئے اور ہم نے ملزم ان کے حوالہ کر دیا۔

وہ تخت پوش جس پر مقتول بیٹھا ہوا تھا وہاں پر ایک چھوٹا سا ڈیسک اور کیش بکس رکھا ہوا تھا ۔ وہ ہتھیار جو ملزم نے استعمال کیا تھا وہ کیش بکس پر پڑا ہوا تھا اس پر خون لگا ہوا تھا۔ پولیس نے چاقو وہاں سے اٹھا لیا میں نے عدالت میں تین چاقو دیکھے تھے اور ان میں قتل میں استعمال ہونے والے چاقو کو پہچان لیا تھا۔ اس وقت اس کی نوک ٹوٹ گئی تھی اور میں نے اسی سے اس کو پہچانا ہے ۔ مقتول اپنے تخت پوش کی گدی پر آخری سانس لے رہا تھا۔ پولیس افسران اس کو لاک اپ لے گئے اور ان کے فوری بعد انسپکٹر جواہر لال آگیا۔ انسپکٹر نے میرا بیان لیا اور یہی بیان ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ میں نے اپنے بیان کو سنا اور اس کو ایف آئی آر قرار دیا ۔ یہ درست ہے اس پر میرے دستخط بھی ہیں۔ چاقو کی بازیابی کی فہرست میرے سامنے پولیس افسر نے بنائی اور اس پر میرے دستخط ہوئے ۔ میں ان کاغذات پر اپنے دستخط کو پہچانتا ہوں ۔ میں مقتول کے پائجامہ ،قمیض ،کوٹ اور بنیان کو بھی پہچانتا ہوں جو اس نے اس وقت پہن رکھے تھے ۔ مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال لے جایا گیا۔ مقتول پر پہلے بھی دو قاتلانہ حملے پمفلٹ لکھنے کی وجہ سے ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں پولیس گارد اس کی حفاظت کیلئے لگادی گئی تھی۔ مقتول ۲۸ مارچ کو ہردوار گیا جس کی وجہ سے پولیس گارد ہٹالی گئی تھی کیونکہ مقتول نے کہا تھا کہ وہ واپسی پر دوبارہ گارد طلب کرلے گا۔ وہ ۴ اپریل کو واپس آیا اور گارد کیلئے کہا مگر وقوع کے روز تک پولیس گارد نہ آئی۔ ملزم میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا حتیٰ کہ ہم نے اس کو ودیا رتن کے ٹال سے پکڑ لیا۔

جرح۔ اندرونی اور بیرونی برآمدے کے درمیان دو دروازے ہیں جو بیرونی برآمدے میں ہیں ۔ وہ دونوں برآمدے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ حقیقت میں کمرے ہیں۔ میں جس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا وہاں اور کوئی نہیں تھا جس کمرے میں مقتول بیٹھا ہوا تھا اس میں بھگت رام کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ دونوں دروازے جو اندرونی برآمدے یا کمرے کی طرف جاتے ہیں کھلے ہوئے تھے۔ میں دروازے سے تین فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ میں جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے مقتول کو دیکھ سکتا تھا لیکن بھگت رام کو نہیں۔ جہاں میں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے صرف ایک باہر کے کمرے کے دروازے کو دیکھ سکتا تھا اور کسی کو نہیں ۔ دکان کے سامنے ۱۲ انچ کے قریب تھڑا ہے میں نے ملزم کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب اس نے تھڑے پر قدم رکھا۔ یہ تھڑا دو فٹ چوڑا ہے ۔ یہ لکڑی کا ہے جس پر میں نے ملزم کے قدموں کی آواز کو سنا۔ میں نے نظر اوپر اٹھائی اور اس کو دیکھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ملزم نے چاقو کس طرح پکڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھا تھا۔ ملزم نے اس قدر تیزی سے مقتول پر حملہ کیا کہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ مقتول کی مدد کی جاتی یا مدد حاصل کی جاتی۔ میں نے ملزم کو مقتول کے سینے یا

چھاتی پر دو یا تین وار کرتے ہوئے دیکھا اس کے علاوہ میں نے کوئی ضربات لگاتے نہیں دیکھا۔ مقتول نے اپنے بچاؤ کیلئے ہاتھ اوپر اٹھائے جب ملزم نے چاقو نیچے پھینک دیا پھر میں نے اس پر کتابیں پھینکیں جب ملزم مقتول پر حملہ کر رہا تھا تو میں چلّایا "مہاشے جی کو مار رہا ہے" ملزم نے چاقو کیش بکس پر رکھ دیا۔ یہ کافی بڑا ہے کمرے کے فرش پر دوڑھی ہے۔ جہاں میں کام کر رہا تھا وہاں سے کچھ کتابیں اٹھائیں میں اور ملزم کبھی بھی بر آمدے یا باہر کے کمرے میں اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔ جب میں ملزم کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا تو میں متواتر چلا رہا تھا کہ "مہاشے جی کو مار کر بھاگ گیا ہے" مجھے یاد نہیں کہ اس کے علاوہ اور کچھ میں نے کہا۔ پرمانند ہم چاروں تعاقب کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ میں سب سے آگے تھا مگر پرمانند میرے آگے ہو گیا جب ملزم ٹال میں داخل ہو گیا تو اس وقت ملزم میرے سے دو قدم آگے تھا۔ پرمانند ٹال کے پچھلے دروازے سے داخل ہوا تھا۔ میں ملزم کے اس قدر قریب تھا کہ میں اس کو چھو سکتا تھا۔ جہاں پر ہم نے اس کا تعاقب کیا ہے وہاں ایک سڑک ہے جو برہمو سماج مندر کو جاتی ہے۔ یہ سڑک ایک دوسری سڑک سے جا کر ملتی ہے۔ یہ سڑک ۱۰۰ یا ۵۰ اقدم ہی ہوگی۔ یہ شارع عام ہے۔ اس وقت ہسپتال روڈ یا وہ سڑک جو برہمو مندر کیطرف جاتی ہے اس پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی جب میں ملزم کے پیچھے بھاگا تو میں نے مقتول کو گرتے ہوئے دیکھا۔ جب میں ملزم کیساتھ واپس دکان پر آیا تو مقتول گرا ہوا تھا میں نے مقتول کی آواز "ہائے" صرف ایک دفعہ سنی اس سے زیادہ میں نے اس کی آواز کو نہیں سنا۔ ملزم نے ان الفاظ کو دوبارہ دہرایا جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ جب ہم اس کو مقتول کی دکان پر لیکر آئے۔ ملزم نے ان الفاظ کو کئی دفعہ استعمال کیا مگر خصوصاً دو جگہوں پر ایک دفعہ اس وقت جب ہم نے اس کو پکڑا اور دوسری دفعہ اس وقت جب ہم اس کو مقتول کی دکان پر لائے۔ ملزم نے کسی سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا تھا۔ ملزم نے کھڑے ہوئے لوگوں کو یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کیوں دوڑ گیا تھا۔ ملزم کو ٹال کے دروازے سے تین یا چار فٹ کے فاصلہ سے پکڑا گیا تھا۔ اس ٹال کے گیٹ ہیں لیکن یہ اس وقت کھلے ہوئے تھے۔ جہاں سے ملزم کو پکڑا گیا تھا اس کو ہم سڑک پر سے دیکھ سکتے ہیں۔ پولیس نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا کہ آیا ملزم نے کچھ کہا تھا۔ میں نے اس کا ذکر نہیں کیا جو ملزم نے گرفتاری کے وقت کہا تھا۔ پولیس نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تھا میں نے جو ضروری سمجھا وہ بتا دیا۔ میں نے کومیٹنگ مجسٹریٹ کے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا تھا جو ملزم نے گرفتاری کے وقت کہے تھے۔ میں ملزم کو پہلے سے نہیں جانتا ہوں۔ پولیس گارد دکان سے باہر اوقات کار کے دوران (۹ بجے صبح تا ۵ بجے شام) تک موجود رہتی تھی۔ میں نے اس کو ضروری نہیں سمجھا کہ پولیس کو اطلاع کرتا کہ جب میں اپنا بیان دے رہا تھا بھگت رام دکان میں موجود تھا۔

ہائیکورٹ (عدالت سے)

میں نقشہ ای ایکس جے/پی دیکھتا ہوں مقتول اس جگہ بیٹھا ہوا تھا جو نقشہ میں دکھائی گئی ہے میں

پوائنٹ نمبر۲ پر کام کر رہا تھا اور بھگت رام پوائنٹ نمبر ۳ پر کام کر رہا تھا۔ جب ہم نے اس کو گرفتار کیا وہاں کوئی نہیں آیا۔ میں وزیر چند نامی کسی شخص کو نہیں جانتا۔

سیشن جج

۲۹ - ۵ - ۱۵

گواہ نمبر ۳

نام بھگت رام ولد بگر مل عمر ۲۵ سال ذات کھتری سکنہ لاہور

پیشہ۔ مقتول کا ملازم

میں مقتول کا آٹھ سال منشی رہا ہوں۔ مقتول کی کتابوں کی دکان تھی ۶ اپریل کو دو بجے دن میں اپنے مالک کی دکان میں کام کر رہا تھا اور میرے ساتھ کیدار ناتھ (گواہ نمبر ۲) بھی کام میں مصروف تھا۔ کیدار ناتھ اندر کے کمرے میں تھا جبکہ میں بیرونی کمرے میں تھا۔ مقتول اپنی گدی پر مجھ سے آٹھ یا نو فٹ کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ مقتول لکھ رہا تھا جبکہ کیدار ناتھ پارسل بنا رہا تھا۔ میں نقشہ دیکھتا ہوں۔ مقتول نقشہ میں دکھائی جانے والی جگہ نمبر ا پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ میں نقشہ میں دکھائی جانے والی جگہ نمبر ۳ اور کیدار ناتھ نمبر ۲ جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تخت پوش یا وہ گدی جس پر مقتول بیٹھا ہوا تھا زمین سے چار انچ بلند تھی۔ تخت پوش ملحقہ دروازے کیساتھ تھا جو کمرے یابر آمدے کی طرف جاتا ہے جب میں سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں ترتیب سے رکھ رہا تھا تو میں نے اپنے مالک کی آواز سنی "میں مر گیا" اس پر میں نے اس طرف دیکھا کہ ایک شخص نے مقتول کو گردن سے پکڑا ہوا تھا اور اس کی چھاتی میں چاقو سے وار کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے سیڑھی پر سے حملہ آور پر کتابیں ماریں۔ کتابیں اس کو لگنے کے بعد باہر گلی میں گر گئیں اس کے بعد حملہ آور دکان سے باہر سڑک پر دوڑا جس کے تعاقب میں کیدار ناتھ اور میں سیڑھی سے نیچے اتر کر دوڑے۔

بعد میں نانک چند اور پرمانند بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ حملہ آور ہسپتال کی طرف دوڑا۔ ہمارے اور اس کے درمیان بمشکل تعاقب میں ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ ہم اس کو چھو سکتے تھے لیکن ہم نے اس کو نہیں پکڑا۔ پرمانند آگے دوڑا تا کہ ہم اس کو پکڑلیں۔ اسی اثناء میں حملہ آور ودیارتن کے ٹال میں داخل ہو گیا۔ جب حملہ آور اس ٹال کے گیٹ میں داخل ہوا ودیارتن باہر آیا اور حملہ آور کو پکڑ لیا۔ ہم چار تعاقب کرنے والوں میں ودیارتن بھی شامل ہو گیا۔ حملہ آور علم الدین ملزم تھا جو عدالت میں ہے ملزم کبھی بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا اس وقت سے لے کر جب اس نے قتل کیا اور پکڑا گیا۔ ملزم نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہم تعداد میں زیادہ اور اس سے طاقتور تھے۔ جب ہم ملزم کو پکڑ چکے تھے وہ

برابر یہی کہتا رہا کہ وہ چور یا ڈاکو نہیں ہے بلکہ اس نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے۔ یہ الفاظ وہ مقتول کی دکان پر پکڑے جانے کے بعد واپسی پر بھی کہتا رہا۔ جلد ہی ہم دکان پر پہنچ گئے۔ وہاں پر پولیس آ گئی اور ہم نے اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جب میں دکان پر واپس آیا تو میں نے دیکھا مقتول آخری سانس اس تخت پوش یا گدی جس پر بیٹھا ہوا تھا لے رہا تھا۔ وہاں پر ایک گدی 'ایک کیش بکس پڑا ہوا تھا اور ان کے درمیان چاقو پڑا ہوا تھا میں نے جا تو کو عدالت میں شناخت کیا ہے۔ چاقو کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے اور یہ اس وقت دیکھائی دی تھی جب پولیس نے چاقو قبضہ میں لیا تھا۔ چاقو خون آلود تھا پولیس نے اس کو اپنے قبضہ لیا۔ مقتول کے ہردوار جانے سے پہلے پولیس گارد ہوتی تھی لیکن اس کی واپسی پر اس وقوعہ کے روز تک پولیس گارد متعین نہیں کی گئی۔ ملزم کو جب پولیس لے گئی تو سب انسپکٹر جلال دین وہاں پر آیا۔ اس نے میرا اور دوسرے افراد پر جرح کی۔ مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔

ملزم کے وکیل کی طرف سے میں اس بیان کو جو گواہ نے پولیس کے سامنے دیا ہے اس کی ایک قیمتاً کاپی ملزم کو مہیا کی گئی ہے۔

میں نے مقتول کی صرف ایک ہی دفعہ آواز سنی تھی جن الفاظ کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں یا وہ الفاظ جو میں نے استعمال کیے ہیں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ سیڑھی جس پر میں کھڑا ہوا تھا وہ دونوں کمروں کی دیوار کیساتھ لگی ہوئی تھی اور میری کمر سڑک کی طرف تھی۔ میں سیڑھی کے ساتویں ڈنڈے پر کھڑا ہوا تھا جبکہ اس کے کل بارہ ڈنڈے ہیں۔ حملہ آور نے مقتول کی گردن کو اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور دائیں ہاتھ میں چاقو تھا۔ میں نے چاقو کو مقتول کے زخم میں دیکھا جو ملزم نے لگایا تھا۔ میں نے ضربات لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں نے ملزم کو چاقو باہر نکالتے اور گدی پر پھینکتے ہوئے دیکھا۔

میں نے مقتول اور حملہ آور کے درمیان بچاؤ کرنے کیلئے کوشش کو نہیں دیکھا۔ ملزم مقتول پر جھکا ہوا تھا مقتول کے ہاتھ اس کے سامنے تھے اور وہ ملزم کو پکڑے ہوئے نہیں تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اوپر اٹھا ہوا تھا جبکہ دوسرا نیچے تھا۔ جب ملزم دکان میں تھا تو اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ جب میں سیڑھی پر کھڑا ہوا تھا تو ملزم کی کمر میری طرف تھی مقتول کا چہرہ میری اور حملہ آور کی طرف تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کتابیں میں نے ملزم کو ماری تھیں وہ اس کو لگی تھیں یا نہیں۔ آیا ملزم میرے اور مقتول کے درمیان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کتابیں ملزم کو لگی ہوں۔ یہ بنڈل تقریباً ۲۵ کتابوں پر مشتمل تھا۔ یہ بنڈل مضبوطی سے بندھا ہوا تھا جب یہ بنڈل ملزم کی کمر پر لگا تو وہ گرا۔ میں نے کوئی اور اس کے علاوہ کتابیں نہیں پھینکیں۔ ان کتابوں کا وزن دو یا ڈھائی سیر تھا۔ جب بنڈل کھلا تو کتابیں بکھر گئیں۔ اس طرح کچھ کتابیں سڑک پر جا گریں۔ میں نے کیدار ناتھ کو بھی ملزم پر کچھ کتابیں پھینکتے ہوئے دیکھا۔ یہ دو یا تین بندھی ہوئی کتابیں تھیں کوئی بنڈل نہیں تھا میں نے اس کو یہ کتابیں ایک دفعہ مارتے ہوئے دیکھا۔ پہلے میں نے کتابیں مارتے دیکھا بعد میں مقتول کی آواز

کو سنا۔ میں نے کیدار ناتھ کے کتابیں مارنے کے بعد اپنا کتابوں کا بنڈل ملزم کو مارا تھا۔ جو اس کو لگا اور اس نے اپنا چاقو پھینک دیا۔ ملزم پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ ہم ملزم کو نہیں پکڑ سکتے تھے کیونکہ وہ آگے تیز بھاگ رہا تھا۔ پرمانند کی دُکان مقتول کی دُکان سے قریب ہے۔ پرمانند بھی ہمارے ساتھ تعاقب میں شامل ہو گیا اور ہم برہمو سماج روڈ پر آ گئے۔ اگر ملزم اس سڑک کی طرف مڑ جاتا جو برہمو سماج کی طرف جاتا ہے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ ہمارے سوا اس وقت اس روڈ پر کوئی اور نہیں تھا۔ وہاں پر دوسری دکانیں بھی اس وقت کھلی ہوئی تھیں۔ میں ان دکانوں سے کسی دوسرے آدمی کو آتا نہیں دیکھا۔ ملزم نے فرار ہونے کی ہر ممکن کوشش کی چونکہ ہم تعداد میں اس سے زائد تھے لہٰذا وہ ایسا نہ کر سکا۔ ہمارے درمیان معمولی کشمکش ہوئی اور پکڑے جانے پر ملزم نے ازخود کہا کہ اس نے "رنگیلا رسول" لکھنے والے سے بدلہ لے لیا ہے۔ یہ الفاظ ملزم کے تھے میرے خیال میں اس کے علاوہ اس نے کوئی اور الفاظ استعمال نہیں کئے تھے۔ میری یاد معمولی ہے۔ ملزم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ چور نہیں ہے اور جب اسے ہتھکڑی لگائی گئی تو اس نے کہا تھا کہ یہ میرے لئے سونے کی چوڑیاں ہیں۔

سب انسپکٹر نے میرا بیان دُکان میں لیا جب میرا بیان لیا جا رہا تھا تو وہاں پر کیدار ناتھ 'پرمانند' نانک چند وغیرہ بھی موجود تھے۔ مجھے دوسرے لوگوں کے نام یاد نہیں ہیں اور نہ ہی میں ان کے نام جانتا ہوں۔ مقتول کے چہرے کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ میری کمر مشرق کی طرف تھی کیونکہ دُکان کا رُخ بھی اسی طرف ہے۔ مقتول مجھ سے جنوب کی طرف تھا۔ کیدار ناتھ کا کام پارسل بنانا اور ان پر پتہ لکھنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیدار ناتھ اس وقت کیا کر رہا تھا۔ جب میں نے اس کو پہلے دیکھا تھا تو وہ لکھ رہا تھا۔ سب انسپکٹر نے وہی کچھ لکھا جو میں نے بیان کیا۔ میں نے اس کے لکھے کو نہیں پڑھا۔

یہ درست نہیں ہے کہ میں نے اپنے بیان میں پولیس کے سامنے کہا تھا کہ راجپال مغرب کی طرف منہ کئے میری طرف بیٹھا ہوا تھا اور کیدار ناتھ اس کے نزدیک بیٹھا کتابیں ترتیب سے لگا رہا تھا۔ یہ میں نے نہیں کہا تھا اور نہ ہی یہ درست ہے کہ میں دکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پولیس کو یہی کچھ بتایا تھا جو کچھ اس وقت عدالت میں بتایا ہے نام لیتے ہوئے کہ میں سیڑھی پر کھڑا ہوا تھا۔ یہ درست نہیں ہے جو کہ میں نے بیان میں پولیس کے سامنے ریکارڈ کرایا کہ میں نے ملزم کو اپنے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو لئے ہوئے دیکھا اور مقتول پر حملہ کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ یہ درست نہیں ہے جو میں نے پولیس کے سامنے کہا کہ میں درحقیقت ملزم کو مقتول کے سینے میں چاقو گھونپتے دیکھا۔ جب میں نے دکان چھوڑی اس وقت مقتول گر چکا تھا یہ درست نہیں ہے کہ میں نے اور کیدار ناتھ نے کچھ کتابیں ملزم کو ماریں لیکن اس نے چاقو مقتول کے سینے میں پیوست کر دیا تھا۔

سیشن جج

۱۴-۵-۱۹۲۹ء

گواہ نمبر ۴

نام نانک چند ولد ایل یو ثامل ذات کھتری سکنہ ہسپتال روڈ لاہور

پیشہ ۔ کلاتھ مرچنٹ :۔

میری دکان مقتول کی دکان سے انار کلی کی طرف ہے اِس کے درمیان ایک گلی اور درزی کی دکان ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میری دکان کا رخ اس کے دروازے کی طرف ہے آیا مشرق، مغرب، شمال یا جنوب۔ ۶ اپریل کو میں اپنی دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دو بجے دوپہر کے قریب میں نے راجپال کی دکان سے سنا کہ "مار گیا مار گیا" میں نے ایک شخص کو راجپال کی دکان سے ہسپتال کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے راجپال کے دونوں ملازم کیدار ناتھ اور بھگت رام کو اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ پرمانند جس کی دکان میری دکان سے دوسری طرف ہے وہ بھی تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گیا جس آدمی کا ہم تعاقب کر رہے تھے، وہ ہم سے پانچ یا چھ قدم آگے تھا۔ جس آدمی کا ہم تعاقب کر رہے تھے وہ سیتارام کے ٹال میں گھس گیا۔ سیتارام مر گیا ہے اب اس کے لڑکے ودیا رتن اور پرکاش چند راس کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں جب وہ آدمی ٹال میں داخل ہوا تو ودیا رتن نے اس کو پکڑ لیا۔ ہم بھی وہاں پہنچ گئے اور میں نے اس شخص کو وہاں دیکھا جو اس وقت عدالت میں بطور ملزم کھڑا ہے۔ جس شخص کا ہم تعاقب کر رہے تھے وہ پکڑے جانے تک میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ مجھے پتہ چلا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا تھا پھر ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے جہاں پر اس نے کہا مقتول میرا دشمن نہیں تھا بلکہ میرے رسولؐ کا دشمن تھا اور اس نے بدلہ لے لیا ہے۔ ہمارے دکان پر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی اور ہم نے اس کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں نے مقتول کو اس کی گدی پر مرا ہوا دیکھا۔ میں نے ایک زخم اس کے دل میں دیکھا۔ اس کے کپڑے خون میں بھرے ہوئے تھے میں نے گدی کے نیچے پڑے ہوئے ڈیسک پر چاقو پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے عدالت میں تین چاقو دیکھے اور ان میں سے وہ چاقو پہچان لیا جو میں نے مقتول کی دکان پر دیکھا تھا۔ میں نے اُس کی نوک ٹوٹنے کی بنا پر پہچانا۔ پولیس نے چاقو اپنے قبضہ میں لے لیا اس کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔ بہت سے پولیس افسران دکان پر آئے ایک سب انسپکٹر نے میرا بیان لیا۔ میں اس کا نام نہیں جانتا۔

جرح۔

جب میں نے ملزم کو دیکھا وہ تیز بھاگ رہا تھا۔ میں نے بھی تیز بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کی طرح تیز نہ بھاگ سکا۔ ہمارے درمیان فاصلہ ایک جیسا رہا۔ دوسرے تین تعاقب کرنے والے مجھ سے آگے تھے۔

جب ملزم لکڑی کے ٹال میں داخل ہوا۔اس وقت میں اس سے پانچ یا چھ قدم کے فاصلہ پر تھا۔ دوسرے تین تعاقب کرنے والے ملزم کیساتھ ہی ٹال میں داخل ہوئے میں نے ودیا رتن کو ملزم کو پکڑے ہوئے دیکھا۔ اس نے ملزم کو اکیلے پکڑا۔ دوسرے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے اگرچہ ملزم نے فرار ہونے کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کرسکا۔ تقریباً دس یا پندرہ آدمی جمع ہو گئے تھے۔ یہ اشخاص بھی اسی طرف سے آئے تھے جدھر سے ہم آئے تھے۔ وہاں پر کوئی پولیس آفیسر نہیں آیا۔ ملزم نےجو الفاظ کہے ان کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس نے مقتول کی دکان کے تھڑے پر کہے تھے۔ میں نے کیدار ناتھ اور بھگت رام کے الفاظ سنے تھے کہ "مار گیا، راجپال کو مار گیا" ان الفاظ کو سننے کے بعد میں اپنی دکان کے اندر سے باہر آیا۔ میں نے بہت سے زخم دیکھے تھے۔ میں نے بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے ان زخموں کا اندازہ لگایا تھا۔ میں نے ملزم کو مقتول کی دکان سے باہر آتے ہوئے دیکھا تھا۔ میری توجہ اس طرف شور ہونے کی وجہ سے گئی تھی۔ میری دکان اور مقتول کی دکان جہاں سے ملزم بھاگ رہا تھا کا فاصلہ پندرہ یا بیس قدم کا تھا۔ میں اپنی دکان پر اکیلا تھا اس وقت ہسپتال روڈ کی تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ملزم کو بھاگتے اور واپس اس کو پکڑ کر مقتول کی دکان میں لانے کیلئے چار یا پانچ منٹ کا وقت گزرا ہوگا۔ ہمارے دکان پر پہنچتے ہی پولیس آگئی تھی۔ اس وقت پولیس نہیں آئی تھی جب ملزم نے وہ الفاظ کہے تھے جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرا بیان دوسروں کے بعد لیا گیا تھا۔ دوسرے لوگوں کا بیان میری موجودگی میں لیا گیا تھا۔ یہ بیانات مقتول کی دکان میں لئے گئے تھے اس مقدمہ میں صرف گواہوں کے بیانات پولیس نے لئے تھے۔ میں نے ملزم سے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نہ ہی میری موجودگی میں کسی دوسرے شخص نے اس سے کوئی سوال کیا یا سنا تھا۔ میں وزیر چند کو جانتا ہوں۔ میں نے اس کو دکان پر دیکھا لیکن میں نے اس کو وہاں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں نے اس کو اس وقت مقتول کی دکان پر دیکھا تھا جب ہم ملزم کو ٹال سے پکڑ کر لائے تھے۔

میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔

آر.او.اے.سی

سیشن جج

۱۹۲۹ء ـ ۵ ـ ۱۴

گواہ نمبر ۵

پرمانند ولد کیدار ناتھ عمر ۳۳ سال ذات کھتری سکنہ ہسپتال روڈ لاہور

پیشہ - پیپر مرچنٹ

میری دکان انار کلی کی طرف سے مقتول کی دکان سے چوتھی دکان ہے۔ ۶ / اپریل کو دو بجے دوپہر میں اپنی دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کیدار ناتھ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "مار گیا' مار گیا پکڑو پکڑو" اور اس کو ایک آدمی کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا (تب کہتا ہے) جب میں نے کیدار ناتھ کی چیخ وپکار سنی میں نے ایک آدمی کو مقتول کی دکان سے باہر دوڑتے دیکھا اور کیدار ناتھ اس کے پیچھے تھا۔ بھگت رام بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا میں اور نانک چند بھی اس کے تعاقب کرنے میں شامل ہو گئے۔ وہ شخص ہسپتال کی طرف بھاگا میں اس شخص کے آگے بھاگا تا کہ ہم اس کو پکڑ لیں۔ وہ سیتارام کے ٹال میں دوڑا۔ جہاں پر ودیا رتن اور پرکاش چندر نے اس کو پکڑ لیا۔ ہم چاروں جو اس کا تعاقب کر رہے تھے وہاں پہنچ گئے اور اس کو پکڑ لیا۔ جس آدمی کا ہم تعاقب کر رہے تے وہ ملزم عدالت میں موجود ہے۔ جب ملزم کو پکڑا تو کیدار ناتھ نے کہا کہ اس نے راجپال کو مار دیا ہے۔ جب ہم نے ملزم کو پکڑا تو اس نے کہا کہ راجپال نے رسولؐ کی شان میں گستاخی کی تھی اور میں نے اس کا بدلہ لے لیا ہے۔ پھر ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے۔ میں نے مقتول کو اس کی دکان میں گدی پر مرا ہوا دیکھا۔ اس کے کپڑے خون میں بھرے ہوئے تھے اور میں نے اس کی چھاتی میں ایک زخم دیکھا۔ ڈیسک اور کیش بکس کے درمیان چاقو پڑا ہوا تھا جو خون سے بھرا ہوا تھا۔ اس چاقو کو میں نے عدالت میں پہچان لیا کیونکہ اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ جلد ہی وہاں پولیس آ گئی اور اس کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ دوسرے پولیس افسران بعد میں آئے۔ میرا بیان بھی اسی وقت لیا گیا۔

جرح۔

جب میں نے پہلی دفعہ کیدار ناتھ کو دیکھا تو میری توجہ اس کی چیخ وپکار کی طرف گئی۔ وہ اپنی دکان کے تھڑے سے اُتر رہا تھا اور ملزم اس سے دو قدم آگے تھا جب کیدار ناتھ نے ہمیں بتایا کہ ملزم نے مقتول کو جان سے مار دیا ہے تو پھر میں "مار گیا مار گیا" کا مطلب سمجھ گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ جب ہم نے ملزم کو پکڑا وہاں پر دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ جب ملزم کو پکڑا گیا تو کسی نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی کچھ پوچھا تھا۔ اس نے مذکورہ الفاظ اپنی مرضی سے کہے تھے۔ یہ کسی سوال کے جواب میں نہیں کہے تھے۔ جب ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے تو وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ میں اس مقدمہ میں کسی گواہ وزیر چند کو نہیں جانتا جب ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لائے تو وہاں بہت سے آدمی جمع ہو گئے مگر پولیس نے

ان کو دکان کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ میں نے مقتول کو اپنی دکان کی گدی پر مرا ہوا دیکھا تھا۔ میں دکان کے اندر نہیں گیا۔ جب ہم ملزم کو دکان پر لائے تو وہاں ایک بڑا ہجوم لوگوں کا تھا۔ کچھ کتابیں سڑک پر پڑی تھیں جن کو اُٹھا کر دکان کے اندر لائے۔ یہ کتابیں لوگوں کے پیروں میں پڑی تھیں۔ جب میں واپس ہوا تو دکان میں ایک یا دو آدمی تھے۔ جب میں نے مقتول کو گدی پر مردہ دیکھا تو میرے اور مقتول کے درمیان کوئی شخص کھڑا نہیں تھا۔ میں نے چاقو اس وقت دیکھا جب مقتول گدی پر مردہ پڑا تھا۔ میں چاقو تھڑے پر پڑا ہوا دیکھا تھا ۔ میرا بیان پولیس نے مقتول کی دکان سے باہر سڑک پر لیا تھا۔ دوسرے گواہوں کا بیان میرے سامنے نہیں لیا گیا اور نہ ہی میں نے سنا۔ مجھے یاد نہیں جب میں نے کیدار ناتھ کی چیخ و پکار سنی میری دکان پر کوئی دوسرا شخص موجود تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا ملازم وہاں تھا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے میری دکان پر کچھ گاہک ہوں جو وہاں سے ہو سکتا ہے دوڑ گئے ہوں۔

دوبارہ جرح

ہجوم سڑک پر باہر جمع ہو گیا تھا

سیشن جج

۲۹-۵-۱۴

گواہ نمبر ۶

ودیارتن ولد سیتارام عمر ۲۳ سال قوم آریا سکنہ لاہور پیشہ ایندھن فروش

میری ایندھن کی دکان ہے جو مقتول راجپال کی دکان سے دو سو فٹ کے فاصلہ پر ہے۔ میری دکان مقتول کی دکان سے مخالف سمت ہسپتال روڈ پر ہے میں وہاں رہتا بھی ہوں۔ گذشتہ اپریل کو دو بجے دوپہر میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا جو میرے لکڑی ٹال کے سامنے ہے۔ ٹال میں داخلہ کیلئے ایک طرف سے کھلا ہے ہم رات کو اسے ایک کھڑ کا سے بند کرتے ہیں۔ جب میں وقوعہ کے روز اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا تو میں نے شور سنا "پکڑو پکڑو مار گیا مار گیا"۔ یہ شور مقتول کی دکان کی طرف سے آ رہا تھا۔ میرے دفتر کے دو دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔ ایک دروازے اور کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی ہے جبکہ دوسرا دروازہ اور کھڑکی ٹال میں کھلتی ہے۔ وقوع کے روز دو دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ شور سننے اور کھلے ہوئے دروازے میں سے سڑک پر دیکھنے سے میں نے ایک آدمی کو سرخ دھاری والی قمیض پہنے دوڑتے دیکھا جس کے تعاقب میں آٹھ یا دس آدمی تھے۔ جس آدمی کا تعاقب کیا جا رہا تھا وہ میرے ٹال کی طرف آ رہا تھا۔ تب ٹال میں کھلنے والے دفتر کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور تعاقب کرنے والے آدمی کو پکڑ لیا۔ تعاقب

کرنے والوں کے پہنچنے پر اس آدمی کو ہم نے قابو کر لیا۔ اس آدمی نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ شخص جس کو میں نے پکڑا تھا۔ ملزم علم الدین عدالت میں موجود تھے۔ تعاقب کرنے والوں میں کیدار ناتھ، بھگت رام، پرمانند اور نانک چند تھے جن کو میں پہلے سے جانتا ہوں۔ میں وہاں پر جمع ہونے والے آدمیوں کے نام نہیں جانتا ان کو پہچان سکتا ہوں جب میں نے ملزم کو پکڑا تو اس نے پہلے کہا "مجھے جانے دو" میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے رسولؐ کا بدلہ لیا ہے" میں اور دوسرے لوگ پھر ملزم کو مقتول کی دکان پر لے آئے جب ہم ملزم کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے تو ملزم متواتر کہہ رہا تھا کہ میں کوئی چور یا ڈاکو نہیں ہوں بلکہ میں نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے۔ پولیس بھی اسی وقت دکان پر پہنچ گئی اور ہم نے اس کو پولیس کے حوالہ کر دیا جس وقت پولیس نے اس کو ہتھکڑی لگائی تو ملزم نے کہا یہ میرے لئے سونے کی چوڑیاں ہیں۔ پولیس ملزم کو لوہاری گیٹ کی طرف لے گئی۔ میں نے مقتول کو دکان میں پڑے ہوئے دیکھا اس کے کپڑے خون میں بھرے ہوئے تھے اور اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ مقتول تخت پوش پر پڑا ہوا تھا جہاں پر ڈیسک اور کیش بکس رکھا ہوا تھا۔ چاقو کی نوک بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ چاقو کو میں نے عدالت میں شناخت کیا ہے۔ پولیس نے چاقو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کی فہرست بنائی جس پر میں نے دستخط کیے۔

دوسرے پولیس افسران بعد میں آئے اور ان میں سے ایک نے میرا بیان لیا۔

جرح۔

(ملزم کے وکیل کے کہنے پر گواہ کے بیان کی کاپی جو اس نے پولیس کو دیا تھا حوالے کی جاتی ہے)

وہ تمام آدمی جو ملزم کا تعاقب کرتے ہوئے میرے ٹال میں آئے وہ تمام کے تمام ہندو تھے۔ ملزم کے یہ الفاظ کہنے کہ "مجھے جانے دو" کے درمیان کوئی وقفہ نہیں تھا۔ میرا بھائی پرکاش چندر میرے ساتھ دفتر میں تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ٹال میں گیا اس نے بھی ملزم کو پکڑنے میں میری مدد کی جب میں نے ملزم کو پکڑا عین اس وقت تعاقب کرنیوالے لوگ بھی آ گئے۔ ملزم ٹال میں داخل ہونے کے بعد چار یا پانچ فٹ گیا تھا جب میں نے اس کو پکڑا۔ میرا منہ میرے گھر کی طرف تھا جب میں نے ملزم کو پکڑا۔ ملزم نے ٹال سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور مزاحمت نہیں کی اور مزید اندر جانے کی کوشش کی۔ یہ درست ہے جو پولیس کو بیان دیا ہے کہ وہ میری رہائش کی طرف جا رہا تھا چونکہ اس کا دروازہ بند تھا لہٰذا وہ واپس ٹھہرا۔ میں نے یہ آج نہیں کہا تھا کیونکہ یہ مجھ سے نہیں پوچھا گیا تھا مجھے وہ حقیقی الفاظ یاد نہیں ہیں جو ملزم نے کہے تھے بلکہ ان الفاظ کا نچوڑ بیان کیا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ ملزم جب پکڑا گیا تھا تو اس نے کچھ اور الفاظ بھی کہے تھے۔ میں ملزم کو پہلے سے نہیں جانتا جب ملزم کو پولیس کے حوالے کیا گیا تو اس نے اپنا نام بتایا تب میں نے اس کا نام سنا۔ ملزم نے یہ کہا تھا کہ نہ تو وہ چور ہے اور نہ ہی ڈاکو۔ یہ الفاظ اس نے پولیس کے ہتھکڑی لگانے سے پہلے کہے

تھے جب میں نے اس کو پکڑا تھا مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ میں نے پولیس کے سامنے یہ کہا ہو کہ ملزم نے اپنا نام علم الدین ترکھان کہا ہو اور کہا کہ میں چور نہیں ہوں اور اس نے مقتول کو قتل کرنے کے بعد رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے۔ اگر میں نے ایسا کہا ہے تو یہ درست ہے (گواہ نے یہ کہا ہے)

حقیقت یہ ہے کہ ملزم نے اپنا نام اس وقت بتایا تھا جب ہم اس کو تال سے مقتول کی دکان پر لے کر جا رہے تھے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ مجھے اس کے نام کا پتہ اس وقت چلا جب وہ پولیس کی تحویل میں تھا جب ہم ملزم کو لے کر مقتول کی دکان پر پہنچے تو کچھ لوگ دکان کے باہر اور کچھ اندر موجود تھے۔ جب میرا بیان لیا جا رہا تھا تو مقتول کی لاش کو ہسپتال نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ وہ سڑک پر ایک بستر پر پڑی تھی۔ ایک شخص جو تھڑے پر کھڑا تھا وہ مسلمان دکھائی دیتا تھا جب ہم نے ملزم کو پکڑا اس وقت جائے وقوع پر کوئی اور شخص نہیں آیا تھا لیکن جب ہم اس کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ پر کاش چند بھی ہمارے ساتھ مقتول کی دکان پر آیا۔ میں نہیں جانتا آیا کہ پولیس نے اس کا بیان لیا یا نہیں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میری موجودگی میں دو یا تین آدمیوں کے بیانات پولیس نے لئے تھے۔ یہ درست ہے کہ میں نے کومیٹنگ مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیا تھا کہ جب میں نے ملزم کو دیکھا تو وہ میری رہائش گاہ کی طرف سے آ رہا تھا۔ دکان میں دو آدمی تھے ان میں سے ایک کو میں جانتا ہوں جس کا نام ڈاکٹر دھلا رام ہے دوسرا مسلمان تھا جس کے بارے میں بعد میں پتہ چلا ہے کہ وہ بھی ڈاکٹر تھا۔ ڈاکٹر دھلا رام کی ڈسپنسری لوہاری گیٹ کے باہر سڑک پر ہے جو باغ کی طرف جاتی ہے۔ میں نے اس کا ذکر ملزم کے سامنے نہیں کیا تھا کہ جب اس نے ہتھکڑی پہنی تو یہ کہا تھا کہ سونے کی چوڑیاں دی گئی ہیں۔

ہائی کورٹ۔

میں نے نقشہ میں اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں سے ملزم پکڑا تھا۔ ملزم میری رہائش گاہ کی طرف دوڑا اور پھر واپس مڑا جیسا کہ نقشہ میں دیکھایا گیا اور جہاں پر میں نے پکڑا وہ نقشہ میں نمبر ۸ میں دیکھا گیا۔

سیشن جج

۱۹۲۹ء - ۵ - ۱۵

گواہ نمبر ۷

نام وزیر چند ولد نہال چند عمر ۵۰ سال قوم کھتری سکنہ گوجرانوالہ پیشہ ٹھیکیداری

گذشتہ ۶ اپریل کو دو بجے دوپہر میں گورو گھنٹال کے دفتر بیٹھا ہوا لالہ شام لال ایڈیٹر سے باتیں کر رہا تھا اس صبح مجھے لاہور پہنچنا تھا۔ گورو گھنٹال کے دفتر کے نیچے مقتول راجپال کی کتابوں کی دکان ہے۔

جب میں وہاں بیٹھا ایڈیٹر سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے نیچے سے آواز سنی "مار گیا مار گیا پکڑو" میں نے گلی میں کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی اور جب میں نے کھڑکی میں سے دیکھا تو چند کتابیں سڑک پر گری تھیں اور ایک آدمی ہسپتال کی طرف بھاگ رہا تھا جس کے تعاقب میں دو یا تین آدمی تھے تعاقب کرنے والے چلا رہے تھے "مار دیا، مار دیا" میں بھی چلّایا "اس کو پکڑو اور جانے نہ دو" اور سیڑھیوں سے نیچے آیا اور تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گیا اور سیتارام کے ٹال کے نزدیک میں نے دو یا تین آدمیوں کو دیکھا جنہوں نے اس کو پکڑ لیا تھا۔ میں نے ملزم کو عدالت میں شناخت کر لیا۔ میں نے ملزم کو بازو سے پکڑا اور پوچھا تم نے کیا کیا تھا، اس پر اس نے اپنا بازو چھڑایا اور کہا "مسلمان بھائیو! میں نے کچھ نہیں چرایا ہے میں نہ تو چور ہوں اور نہ ہی میں نے کچھ کیا ہے میں نے تو صرف رسولؐ کا بدلہ لیا ہے" اس وقت مجھے نہیں پتہ تھا کہ اصل میں ملزم نے کیا کیا تھا۔ ہم ملزم کو مقتول راجپال کی دکان پر واپس لائے لیکن میں اندر نہیں گیا۔ مجھے پتہ چلا کہ ملزم نے راجپال کو چاقو سے قتل کیا ہے میں پولیس کو لینے لوہاری چوکی گیا یہ یقین کرنے کے لیے کہیں ملزم بھاگ نہ جائے جس چاقو سے اس نے قتل کیا تھا وہ دکان میں پڑا ہوا تھا میں نے پولیس چوکی میں جا کر واقعہ کے بارے میں بتایا اور کچھ پولیس والے میرے ساتھ آئے۔ پولیس ملزم کو لے گئی۔ فوری بعد کچھ پولیس افسران آئے اور ہجوم بڑھ گیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے پولیس نے دو یا ڈھائی گھنٹے کے بعد میرا بیان لیا۔ میں گوجرانوالہ شام ۵ بجے والی ریل گاڑی سے واپس گیا۔

جرح۔

میں نے ملزم کو پکڑتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب میں ٹال کے قریب جائے وقوع پر پہنچا تو میں نے لوگوں کو اسے پکڑے ہوئے پایا اور پتہ چلا کہ وہ ٹال کے اندر سے پکڑا گیا ہے۔ اس وقت ملزم کیساتھ پانچ یا چھ آدمی تھے میں ان میں سے کسی شخص کا نام نہیں جانتا، لیکن ان میں سے ایک یا دو کو پہچاننے کے قابل ہوں ان میں سے سیتارام کے بیٹے نے ملزم کو پکڑا ہوا تھا۔ میں نے ماسوائے متذکرہ افراد کے سوا کسی اور شخص کو سڑک پر نہیں دیکھا۔ میں نے دوسرے دکانداروں کو اپنی اپنی دکانوں پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں آیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جن افراد نے ملزم کو پکڑا تھا وہ سب کے سب ہندو تھے یا نہیں۔ جب ملزم زور سے پکارا تو اس وقت مجھے پتہ چلا کہ وہ علاقہ کے مسلمان دکانداروں سے مخاطب تھا۔ میں نے ملزم کو اس لئے بازو سے پکڑا تھا تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ اس کے پاس کوئی اور دوسری چیز تو نہیں ہے۔ میرا ہاتھ اس کے بازو پر ہی رہا جب اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے میں نے ملزم کی ڈب بھی دیکھی تاکہ اس میں کوئی اور چیز نہ چھپی ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ جب ہم ملزم کو واپس لیکر آئے تو مقتول کی دکان پر کوئی افسر موجود تھا جب مجھے راجپال کے قتل کے بارے میں معلوم ہوا تو میں بمشکل مقتول کی دکان پر ایک

منٹ رکا۔ میں فوری طور پر پولیس چوکی گیا جہاں تک مجھے یاد ہے کہ جب میں پولیس چوکی گیا تو لوگوں نے اس وقت اس کو پکڑا ہوا تھا۔ میرا بیان مقتول کی دکان سے باہر لیا گیا تھا۔ تین یا چار آدمیوں کا بیان میری موجودگی میں لیا گیا تھا۔ میں مقتول کو چہرے سے جانتا تھا جہاں تک مجھے علم ہے مقتول ملزم سے چھوٹے قد کا آدمی تھا۔

دوبارہ جرح۔

جس شخص کا تعاقب کیا جا رہا تھا اس نے سرخ دھاری کی قمیض سفید شلوار اور سفید پگڑی پہنی ہوئی تھی۔

ہائی کورٹ

جب میں نیچے گلی میں آیا تو میں نے تعاقب کرنے سے پہلے چند آدمیوں کو تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ملزم کو نہیں دیکھا۔

۱۹۲۹ء۔ ۵۔ ۱۵

گواہ نمبر ۸

نام۔ آتمارام ولد گوپی مل عمر ۷۰ سال ذات کمبوہ سکنہ گمٹی بازار لاہور

پیشہ۔ کباڑیہ

آج سے تقریباً تین یا ساڑھے تین سال پہلے میں نے پانچ سو چاقو لاہور چھاؤنی کے میڈیکل شعبہ سے نیلامی میں خریدے۔ میں نے عدالت میں ان تین چاقوؤں میں سے ایک کی شناخت کر لی ہے جو ملزم نے میری دکان سے خریدا تھا جو اب عدالت میں ہے۔

تقریباً ایک ماہ سے زائد کا عرصہ ہوا یہ شخص ایک صبح ساڑھے نو بجے کے قریب میری دکان پر آیا اور مجھ سے پوچھا کیا کوئی چاقو فروخت کرنے کیلئے ہے۔ میں نے دکان پر نیلام میں خریدے ہوئے چاقو لگائے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو یا تین چاقو میں نے اس کو دکھائے۔ ان میں ایک چاقو کی قیمت ملزم نے مجھ سے پوچھی اور میں نے اس کی قیمت ایک روپیہ بتائی تھی اس نے مجھے دس آنے کہے جس پر میں نے انکار کر دیا۔ پھر بارہ آنے کہے اس پر بھی میں نے انکار کر دیا آخر ایک روپیہ میں سودا ہو گیا۔ ملزم نے ان میں سے ایک چاقو منتخب کیا اور کہا کہ اس کو علیحدہ رکھو تا کہ میں واپسی پر روپیہ لے آوں۔ وہ ایک گھنٹہ بعد واپس آیا اس نے مجھے روپیہ دیا اور میں نے چاقو اس کے حوالے کر دیا دو دن کے بعد دو پولیس آفیسر میری دکان پر آئے اور مجھ سے پوچھا کہ یہ چاقو جو میری دکان پر تھے میں نے کہاں سے خریدے ہیں میں نے ان کو بتایا، پولیس افسران نے

دو چاقو لئے' انہوں نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا جس پر میں نے دستخط کر دیئے میں اپنے دستخط کو پہچانتا ہوں۔ پولیس افسران نے مجھ سے پوچھا آیا کہ میں نے کوئی چاقو فروخت کیا تھا جس پر میں نے ان کو جواب دیا کہ ہاں بیچا تھا۔ دو دن بعد مجھے نولکھا تھانہ سول لائن بلایا گیا اور وہاں ٹھہرنے کو کہا۔ دو گھنٹے بعد مجھے تھانہ سول لائن لے جایا گیا اور مجھ سے پوچھا گیا کہ آیا میں اس شخص کو پہچان سکتا ہوں جس کے ہاتھ چاقو فروخت کیا۔ مجھے اس کمرے میں لے جایا گیا جہاں سات یا آٹھ آدمیوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ میں نے تین دفعہ اس لائن کے گرد چکر لگائے اور آخر کار میں نے ملزم کو پہچان لیا جس کے ہاتھ میں نے چاقو فروخت کیا تھا۔ اگلے دن میں نے کو میٹنگ مجسٹریٹ کے سامنے اپنا شہادتی بیان دیا شناخت کے دوران افسران کمرے میں موجود تھے۔ میں نے عدالت میں چاقو دیکھا اس کے دو چاقو جو پولیس میری دکان سے لائی تھی وہ بھی دیکھے میں نے اس کو چند مخصوص نشانات کی وجہ سے شناخت کیا ہے جب میں نے چاقو فروخت کیا تھا اس وقت اس کی نوک ٹوٹی ہوئی نہیں تھی۔

جرح۔

میں ملزم کو پہلے سے نہیں جانتا وہ میری دکان پر پہلی مرتبہ آیا۔ میں نے اس کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ملزم کو اس لئے پہچانا کیونکہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے اور اس کی ناک کے دائیں جانب نشان تھا۔ ملزم نے چھیدے ہوئے کانوں میں دھاگہ ڈالا ہوا تھا۔ یہ میں نے اس کو شناخت کرتے وقت دیکھا اس کے علاوہ میں نے کوئی اور نشان نہیں دیکھا تھا۔ میں خصوصاً ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو چاقو خریدنے آتے ہیں۔ میں ہر اس شخص کو پہچان سکتا ہوں جو دو یا تین دفعہ میرے سے چاقو خریدتا ہے۔ میں اپنا فروخت شدہ خاص چاقو شناخت کر سکتا ہوں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ اس قسم کے کتنے چاقو عدالت میں تھے۔ ان پانچ سو چاقوؤں میں سے کچھ بڑے اور کچھ چھوٹے اور مختلف قسم کے تھے۔ میں چاقو خریدنے والے کا نام معلوم نہیں کرتا ہوں میں خصوصاً خریدنے والے کی شکل کو یاد رکھتا ہوں تاکہ اگر وہ چاقو سے کوئی واردات کرے تو میں اس کو پہچان سکوں۔ میں اس کا نام معلوم نہیں کرتا ہوں جس روز میں نے ملزم کے ہاتھ چاقو فرخت کیا تھا اس روز میں ڈاکٹر دھلارام کے درخواست کرنے پر اس کی کچھ چیزیں دیکھنے گیا تھا۔ میرے ساتھ پانچ یا چھ اور کباڑیئے بھی گئے تھے۔ میں ان میں سے کسی کباڑیئے کا نام نہیں جانتا ہوں۔ ڈاکٹر دھلارام وہاں پر تھا میں اس کے ساتھ انارکلی کی طرف نہیں گیا لیکن جب ہم وہاں پر تھے تو اس کے بیٹے نے آکر بتایا تھا کہ ایک قتل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر دھلارام نے دکان کو تالا لگایا اور چلا گیا۔ اور گھر واپس آ گیا میں نے دوسرے کباڑیوں کو دو بجے دوپہر بلایا۔ یہ کباڑیئے پانی والا تالاب کے قریب رہتے ہیں۔ میں نے تقریباً پندرہ منٹ تک ڈاکٹر کی چیزوں کو دیکھا۔ میری نظر اچھی نہیں ہے میں پچاس

قدموں سے کسی کی شکل نہیں پہچان سکتا۔ جب ملزم میری دکان پر آیا تو اس نے قمیض شلوار اور پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ مجھے ان میں سے کسی کا رنگ یاد نہیں ہے جب میں نے ملزم کی شناخت کی اس وقت اس نے دوسرے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے زیادہ میلے تھے۔ اس وقت ملزم کے کان چھیدے ہوئے نہیں ہیں اور ان میں دھاگے بھی نہیں ہیں۔ میں نے ملزم کے رخسار کی ہڈی یا ماتھے پر کوئی نشان نہیں دیکھے تھے اس وقت اس نے اپنی پگڑی ماتھے پر پہنی ہوئی تھی۔

وکیل کی درخواست پر ملزم کے چہرے کا معائنہ کیا گیا اور بائیں رخسار کی ہڈی پر نشان اور ناک کی دائیں جانب بھی چوٹ کا نشان موجود تھا۔ ماتھے کا نشان ان دونوں نشانوں سے زیادہ نمایاں ہے۔ ملزم کے کان کی لو میں چھیدے جانے کے نشانات نہیں ہیں البتہ ان کو شیشہ کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے کہ کان کے چھیدے جانے کے نشان ضرور تھے کتنے عرصہ پہلے تھے یہ کہنا ناممکن ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے جیسا کہ پولیس کے سامنے کہا ہے کہ ملزم پہلے بھی دو یا تین دفعہ میری دکان پر آ چکا ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ملزم کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا یا یہ کہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے اور ان میں دھاگہ بھی تھا (جب اس سے مخصوص چاقو اٹھانے کیلئے کہا گیا جو اس نے ملزم کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ پولیس کے پیش کردہ چاقوؤں میں سے اس نے ایک اٹھایا)

میں نے ایسے بہت سے چاقو فروخت کئے ہیں۔

دوبارہ جرح۔

جب ملزم میری دکان پر دوموقع پر چاقو خریدنے آیا اس وقت وہ میرے سے دو قدم کے فاصلہ پر کھڑا تھا۔

بذریعہ عدالت۔

پولیس ملزم کو میری دکان پر نہیں لیکر آئی

سیشن جج

۱۵ - ۵ - ۱۹۲۹ء

گواہ نمبر ۹

رحمت خاں ولد نا معلوم عمر...... ذات...... سکنہ تھانہ کچہری

پیشہ۔ کانسٹیبل نمبر ۲۰۴۵

گذشتہ ۶ اپریل کو میں انار کلی بازار میں ڈیوٹی پر تھا۔ جب میں لوہاری گیٹ چوک کے قریب تھا ایک لڑکا بعمر ۱۰ یا ۱۲ سال نے مجھے بتایا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا۔ میں راجپال کی دکان ہسپتال روڈ گیا جب میں ودیا رتن کے ٹال کے قریب پہنچا تو میں نے ملزم کو دو تین آدمیوں میں گھرا ہوا دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا ہے برکت علی ہیڈ کانسٹیبل اور شیر محمد کانسٹیبل بھی تقریباً اسی وقت موقع پر پہنچ گئے۔ ہم مقتول کی دکان پر پہنچ گئے وہاں پر مجھے ہیڈ کانسٹیبل برکت علی نے ہتھکڑی لانے کو کہا۔ میں لوہاری گیٹ پولیس چوکی گیا، تھانہ کچہری میں ٹیلی فون کیا اور سب انسپکٹر کو واقعہ کے بارے میں آگاہ کیا اور ہتھکڑی لیکر واپس مقتول کی دکان پر آیا میں نے ملزم کو ہتھکڑی لگائی اور اس کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ لے آیا۔ سب انسپکٹر جلال دین نے چند باتیں معلوم کیں اور وہ جائے وقوع پر چلا گیا۔ میں نے راجپال کو اس کی دکان میں مردہ پایا جب میں ہتھکڑی لینے گیا تو ہیڈ کانسٹیبل برکت علی اور کانسٹیبل شیر محمد مقتول کی دکان میں موجود رہے

جرح۔

میں نے ملزم اور اس کے پکڑنے والوں کو ٹال کے نزدیک دیکھا تھا وہ اس کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے ملزم کو تین سے زائد افراد نے نہیں پکڑا ہوا تھا۔ اس وقت وہاں پر اور کوئی نہیں تھا۔ برکت علی اور شیر محمد میرے ساتھ مقتول کی دکان پر آئے تھے۔ جب ہم دکان پر پہنچے تو بیس یا پچیس لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے وہ لوگ جنھوں نے ملزم کو پکڑ رکھا تھا اُن میں سے میں صرف اس شخص کو جانتا ہوں (ودیا رتن کی طرف اشارہ کیا)

سیشن جج

۱۹۲۹ء - ۵ - ۱۵

گواہ نمبر ۱۰

برکت علی ہیڈ کانسٹیبل ٹریفک ڈیوٹی لاہور

گذشتہ ۶اپریل کو میں لوہاری گیٹ چوک پر دو بجے ڈیوٹی پر تھا۔ میں کوتوالی سے آرہا تھا' میں نے سنا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں سائیکل پر تھا۔ میں شیر محمد کانسٹیبل کیساتھ مقتول کی دُکان پر آیا جب میں جائے وقوع پر پہنچا تو میں نے ملزم کو دو آدمیوں کے درمیان پکڑے ہوئے دیکھا جو اس کو مقتول کی دکان پر لا رہے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے ملزم کو بازوؤں سے پکڑا ہوا تھا ان کے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ مقتول کی دکان پر بیس یا پچیس افراد جمع ہو چکے تھے۔ رحمت خاں کانسٹیبل مجھے اس وقت راستے میں ملا جب ہم مقتول کی دکان پر جا رہے تھے۔ میں نے راجپال کو دکان میں مردہ پایا اور اس کی چھاتی میں ایک زخم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا تھا۔ میں نے رحمت خاں کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی ہتھکڑیاں لانے کیلئے بھیجا' رحمت خاں ہتھکڑیاں لایا میں نے اس کو ہتھکڑی لگائی اور پولیس چوکی لوہاری گیٹ رحمت خاں اور شیر محمد اس کو لے گئے۔ اس وقت لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا تھا۔ جب میں ملزم کو بھیج رہا تھا اس وقت تارا چند ہیڈ کانسٹیبل موقع پر آیا مقتول کی لاش گدی پر پڑی ہوئی تھی اور خون آلود چاقو ڈیسک کے نزدیک پڑا ہوا تھا۔ چاقو کی نوک ٹوٹ گئی تھی۔ وہاں پر کچھ کتابیں بھی بکھری ہوئی تھیں وہاں پر کوئی تخت پوش نہیں تھا۔ عدالت میں جو چاقو ہے یہ وہی ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ تارا چند نے چاقو اپنے قبضہ میں لے لیا اور ضروری فرد تیار کی جس پر میرے دستخط ہیں جب تارا چند فرد تیار کر رہا تھا سب انسپکٹر جلال دین وہاں آیا اور اس نے انکوائری شروع کر دی۔

جرح۔

راجپال تنومند شخص تھا چاقو کی ٹوٹی نوک کو تلاش کیا گیا۔ مگر وہ نہ مل سکی۔

سیشن جج

۲۹-۵-۱۵

گواہ نمبر ۱۱

تارا چند ہیڈ کانسٹیبل نمبر ۱۶۵۸ تھانہ کچہری

گذشتہ ۶ اپریل کو دو بجے دوپہر میں تیلا مندر کی طرف آ رہا تھا کہ میں نے شور شں سنی کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں فوری طور پر مقتول کی دکان کی طرف دوڑا۔ میں اس کی دکان کو جانتا تھا۔ میں نے برکت علی ہیڈ کانسٹیبل اور دو یا تین آدمیوں کو مقتول کی دکان کے اندر دیکھا اور باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ راجپال اپنی دکان کی گدی پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ اس کی چھاتی پر زخم تھا اور اس کے کپڑے خون آلود تھے۔ ایک نوک ٹوٹا خون میں بھرا ہوا چاقو کیش بکس اور مقتول کی لاش کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ میں نے چاقو کو اپنے قبضہ میں لیا اور سپردگی کی فہرست بنانے لگا۔ جب میں فہرست تیار کر رہا تھا سب انسپکٹر جلال دین وہاں آیا سب انسپکٹر نے فوری طور پر اس کا خاکہ کھینچا اور اس کی ہدایت کے مطابق میں نے اس کا پارسل بنایا۔

زیر بحث چاقو وہی ہے مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔ دس یا پندرہ منٹ کے بعد پولیس کے اعلیٰ افسران جائے وقوع پر پہنچ گئے۔ جب میں مقتول کی دکان پر پہنچا اس وقت تک ملزم کو پولیس چوکی بھیج دیا گیا تھا۔

جرح۔

تقریباً چاقو کا پورا پھل (بلیڈ) خون سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے فرش پر خون کے دھبے نہیں دیکھے تھے۔

سیشن جج

۱۵-۵-۲۹

گواہ نمبر ۱۲

لالہ ملکھ راج مجسٹریٹ درجہ اول لاہور

میں ای ایکس پی / کیو دیکھتا ہوں۔ پولیس کی درخواست پر میں نے ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء کو پولیس لائن میں شناخت پریڈ کرائی پریڈ کا مقصد ملزم علم الدین کی شناخت کرانا تھا۔ ملزم علم الدین سول لائن کی حوالات میں تھا۔ گواہ پولیس لائن میں نہیں تھا بلکہ وہ تھانہ نولکھا میں تھا۔ حوالات ایمپرس روڈ سے سو گز کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے حوالات میں ملزم کی شناخت چھ دوسرے آدمیوں کیساتھ کرائی۔

تقریباً سات یا آٹھ منٹ کے بعد پریڈ تیار ہو گئی۔ میں نے گواہ آتما رام کو حوالات میں لائن میں

داخل ہوتے ایمپریس روڈ کی طرف سے دیکھا۔ جدھر سے وہ آیا وہاں سے وہ پریڈ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ملزم پریڈ میں نمبر دو پر دائیں طرف میرے بائیں کھڑا تھا۔ ملزم نمبر دو پر اپنی مرضی سے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اس نمبر پر کھڑے ہونے کو نہیں کہا تھا۔ ملزم کے علاوہ تین اور آدمیوں نے شلوار پہن رکھی تھی۔ ملزم کیساتھ چار اور آدمیوں نے بھی شناخت پریڈ میں پگڑی پہن رکھی تھی ۔ دوسرے افراد کے علاوہ ماسوائے دین محمد کے وہ ملزم سے مشابہت رکھتا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ دوسرے افراد سے چھوٹا تھا یا بڑا گواہ آتمارام کو اس کمرے میں بلایا گیا جہاں پر شناخت پریڈ کا انعقاد تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرے ساتھ کمرے میں انسپکٹر جواہر لال تھا۔گواہ نے شناخت پریڈ کے گرد ادھر سے ادھر کا چکر لگایا اور پھر اس نے ملزم علم الدین کو شناخت کر لیا۔ آتمارام سے کہا گیا تھا کہ وہ اس شخص کی شناخت کرے جس کے ہاتھ اس نے چاقو فروخت کیا تھا جس پر گواہ نے کہا تھا کہ " یہ وہ آدمی ہے " جس کے ہاتھ اس نے چاقو بیچا تھا۔ اس پر میں نے پریڈ کی رپورٹ تیار کی۔

جرح۔

میں پولیس لائن شام ۴ بجے یا ۵ بجے پہنچا تھا میں وہاں پر نصف گھنٹہ رہا وہ چھ افراد جن کو پریڈ میں شامل کیا گیا تھا وہ میرے سے پہلے وہاں موجود تھے۔ میں ان چھ افراد کو نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے ان کے نام معلوم ہیں ان چھ آدمیوں نے اپنے نام بمعہ ولدیت کے مجھے دیئے اور اپنا پتہ بھی بتایا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ میں نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ آیا گواہ آتمارام ان چھ آدمیوں میں سے کسی کو پہلے سے جانتا تھا یا نہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ چار آدمیوں نے پگڑی پہنی ہوئی تھی جن میں تین افراد شلوار پہنے ہوئے بھی تھے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ ملزم کے علاوہ دوسروں نے بھی شلوار اور پگڑی پہنی ہوئی تھی۔

میں نے ملزم کے چہرے پر ایسا کوئی نشان نہیں دیکھا جس سے اس کی شناخت میں آسانی ہو اگر ملزم کے چہرے پر کوئی نمایاں نشان ہوتا تو پھر میں اس کو ضرور نوٹ کرتا، میں نے ملزم کے کانوں میں کوئی دھاگہ نہیں دیکھا تھا میں اب بھی اس کی ناک یا چہرے پر کوئی نشان نہیں دیکھتا ہوں (ملزم اور گواہ کے درمیان سات یا آٹھ فٹ کا فاصلہ ہے)

مجھے یاد نہیں کہ ملزم کا لباس صاف ستھرا تھا یا گندہ اور دوسرے افراد کے لباس کے بارے میں بھی مجھے یاد نہیں۔ میں نے ملزم کی شناخت پریڈ میں چھ افراد کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا ان میں سے کچھ حاضر ہیں۔ میں نے جگہ کی تنگی ہونے کی وجہ سے زیادہ افراد شامل نہیں کئے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ ملزم نے مجھے بتایا ہو کہ شناخت سے پہلے اس کی نشاندہی کی جا چکی تھی۔ اگر وہ ایسی شکایت کرتا تو پھر میں اس کو کاروائی میں ضرور لکھتا۔

بذریعہ عدالت۔

اس پریڈ کے دوران میں ملزم سے تین یا چار فٹ سے زیادہ قریب نہیں رہا تھا۔ مجھے اس کے چہرے یا کان پر کسی قسم کے نشان نظر نہیں آئے جس انداز سے گواہ نے ملزم کی نشاندہی کی ہے اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملزم کی شناخت درست ہوئی ہے اور اس کو پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔

سیشن جج

۲۹۔ ۵۔ ۱۵

گواہ نمبر ۱۳

نام ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل نمبر ۱۸۱۸ تھانہ کچہری

میں راجپال کی لاش کو اس کی دکان سے ہسپتال پوسٹ مارٹم کیلئے لیکر گیا تھا۔ یہ پوسٹ مارٹم تک میری تحویل میں رہی۔ پوسٹ مارٹم تک کسی بھی شخص نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ مقتول کے جسم سے کپڑے پوسٹ مارٹم سے پہلے اتار لئے گئے تھے۔

جرح۔

مقتول ایک تنومند شخص تھا اس کا قد ۵ فٹ ۶ انچ تھا۔

سیشن جج

۲۹۔ ۵۔ ۱۵

گواہ نمبر ۱۴

گردھاری لال ولد پنڈت نتھو رام عمر ۴۵ سال سکنہ لاہور

پتہ۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ڈی اے وی سکول بورڈنگ ہاؤس

میں مقتول کی لاش کیساتھ پوسٹ مارٹم کیلئے گیا اور ڈاکٹر کے سامنے لاش کی شناخت کی۔ راستہ میں کسی نے بھی مداخلت نہیں کی۔ میں مقتول کو کئی سالوں سے جانتا تھا۔

جرح

کوئی نہیں

سیشن جج

۲۹۔ ۵۔ ۱۵

گواہ نمبر ۱۵

نام۔ محمد عثمان ولد عبدالسبحان ذات سید سکنہ مزنگ پیشہ ڈرافٹسمین
میں نے نقشہ ای ایکس جے/پی تیار کیا۔ یہ دس فٹ ایک انچ کے سکیل پر درست بنایا گیا ہے۔ میں وقوع کے روز وہاں پر شام کو گیا اور مختلف لوگوں نے جو مقامات مجھے دکھائے ان کو میں نے نقشہ پر ظاہر کیا ہے۔

جرح۔
پوائنٹ نمبر ۷ کی جانب ودیارتن (گواہ نمبر ۶) اور پرکاش چندر نے نشاندہی کی تھی۔ پوائنٹ نمبر ۸ پر ان دونوں اشخاص نے نشاندہی کی۔ دونوں پوائنٹ نمبر ۸ پر ان دونوں اشخاص نے نشاندہی کی۔ دونوں پوائنٹ ۷ اور ۸ کے درمیان فاصلہ پیمانے کے مطابق ہے۔ تمام نقشہ پیمانے کے مطابق بنایا گیا ہے۔

بذریعہ عدالت۔
ٹال میں داخل ہونے کی چوڑائی اٹھارہ فٹ ہے۔ پوائنٹ نمبر ۱ اور پوائنٹ نمبر ۸ کے درمیان فاصلہ ۳۳۲ فٹ کا ہے۔ پوائنٹ نمبر ۱ کے درمیان فاصلہ ۱۲ فٹ کا ہے اور ڈوٹ لائن کا فاصلہ ۳۳۲ فٹ کا ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ٹال میں داخل ہونے اور باہر جانے کا ایک ہی راستہ ہے۔ پوائنٹ نمبر ۱ اور تھڑے کے درمیان سات فٹ کا فاصلہ ہے۔

گواہ نمبر ۱۶

نام خوشحال چند ولد لالہ گنگا بشن عمر ۴۲ سال ذات آڑورا
سکنہ۔ قلعہ گوجر سنگھ پیشہ۔ دکاندار
جس روز راجپال قتل ہوا مجھے انسپکٹر جواہر لال نے پولیس لائن بلایا۔ میری موجودگی میں انسپکٹر جواہر لال نے ملزم کی قمیض اور شلوار کوارٹر گارڈ پولیس لائن میں اتروائی۔ ان کپڑوں پر خون کے دھبے تھے۔ ان کو میری موجودگی میں پارسل بنانے کے بعد سیل کر دیا گیا۔ اس ضمن میں کاغذات تیار کئے گئے جن پر میں نے دستخط کئے۔ میں یادداشت ایکس پی/کے دیکھتا ہوں جس پر میرے دستخط ثبت ہیں۔ ان دونوں کپڑوں قمیض اور شلوار کا پارسل بنانے سے پہلے میں نے ان پر دستخط کئے۔ زیر بحث اس قمیض اور شلوار کو شناخت کرتا ہوں۔

جرح۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے قمیض کی دائیں آستین پر کہنی کے نزدیک اور شلوار کے دائیں پائنچہ پر گھٹنے کے نزدیک خون کے دھبے تھے۔ دونوں دھبے نہایت ہی معمولی نوعیت کے تھے۔

گواہ نمبر ۱۷

نام۔ شیر محمد کانسٹیبل نمبر ۱۸۹۳ تھانہ کچہری

۸ اپریل کو مجھے انسپکٹر جواہر لال اور سب انسپکٹر جلال دین نے دو پارسل دیئے ان میں سے ایک میں کپڑے اور دوسرے میں چاقو تھا۔ میں ان کو لیکر کیمیکل ایگزامینر کے دفتر گیا اور وہاں پر کیمیکل ایگزامینر کے حوالے ان دونوں پارسل کو کیا۔ یہ کپڑے ایک قمیض اور ایک شلوار پر مشتمل تھا۔

جرح۔

میں اس افسر کا نام نہیں جانتا جس نے یہ پارسل لئے تھے۔

سیشن جج

۲۹-۵-۱۵

گواہ نمبر ۱۸

نام۔ غلام نبی کانسٹیبل نمبر ۷۶۶ تھانہ کچہری

جرح کیلئے اس کی شہادت غیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔

جرح۔ کوئی نہیں

عدالتی کارروائی ملتوی کی جاتی ہے۔

سیشن جج

۱۹۲۹-۵-۱۵

گواہ نمبر ۱۹

نام۔ جلال دین سب انسپکٹر نمبر سی۔ ۲۲۴ تھانہ کچہری

گذشتہ ۶ ۱ اپریل دو بجے بعد دوپہر کو مجھے تھانہ محرر نے بتایا کہ ایک ٹیلیفون چوکی لوہاری گیٹ کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا ہے میں فوراً جائے وقوع پر گیا۔ ابھی میں راستہ ہی میں تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل نے مجھے بتایا کہ حملہ آور گرفتار کر لیا گیا ہے اور اس کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ پہنچا دیا گیا ہے۔ میں پھر پولیس چوکی گیا اور وہاں پر میں نے ملزم علم الدین کو پولیس کی تحویل میں پایا۔ میں نے ملزم اور اس کے کپڑوں کو دیکھا میں نے ملزم کی قمیض کی دائیں آستین پر چھوٹے خون کے دھبے دیکھے۔ عدالت میں وہی قمیض ہے۔ اس کی شلوار کے دائیں پائنچہ پر بھی خون کے دھبے تھے۔ یہ بھی اس وقت عدالت میں ہے۔ ملزم کا معائنہ کرتے وقت میں نے اس کی بائیں ہتھیلی کے کونے پر ایک نشان دیکھا۔ دوسرا بائیں ہاتھ کی انگوٹھی والی انگلی اور تیسرا اس کی کہنی پر دیکھا۔ میں نے ڈائری میں ان نشانات اور خون کے دھبوں کو نوٹ کیا۔ بعد میں اس یادداشت کے نوٹ کو ضائع کر دیا۔ میں نے ملزم کے کپڑے اس لئے نہیں بدلوائے کیونکہ مجھے جائے واردات پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ میں جائے واردات پر سوا دو بجے پہنچ گیا۔ میں نے مقتول کی لاش گدی پر پڑی ہوئی دیکھی۔ اس کا سر الماری سے لگا ہوا تھا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۱) نے چاقو اپنے قبضہ میں کیا اور برآمدگی فہرست تیار کر رہا تھا چاقو خون سے بھرا ہوا تھا اور اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ فہرست پر میرے دستخط ثبت ہیں۔ میں نے چاقو کا خاکہ کھینچا اور اس کا پارسل بھی میری موجودگی میں بنایا گیا جس پر میرے دستخط ہیں۔ اس کے بعد میں نے انکوائری کا آغاز کیا اور کیدار ناتھ کا بیان لیا اور اسی کو ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ اس کو میں نے تھانہ میں درج کرنے کیلئے بھیج دیا۔ اس کے بعد میں نے ودیارتن، بھگت رام نانک چند اور پرمانند کے بیانات ریکارڈ کئے۔ جب میں بھگت رام کا بیان لے رہا تھا تو پولیس کے اعلیٰ حکام وہاں پر پہنچ گئے۔ پھر میں نے زخموں کی اور تفتیش قتل کی رپورٹ شروع کی۔ میں نے مقتول کے سر پر کوئی زخم نہیں دیکھا۔ میں نے ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل کو لاش کے پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال روانہ کیا۔ تفتیش کے دوران پتہ چلا کہ ملزم نے چاقو گمٹی بازار کے ایک کباڑیہ سے خرید اتھا۔ چنانچہ ۷ اپریل کو میں اور انسپکٹر جواہر لال بتائے ہوئے پتہ پر آتمارام کی دکان پر گئے۔ اس کی دکان پر پندرہ چاقو اسی طرح لگے ہوئے تھے جیسا کہ ایک اس وقت عدالت میں ہے۔ ہمارے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اسی قسم کا ایک چاقو اس نے کل بیچا تھا (ملزم کے وکیل نے گواہ کے بیان کے اس حصہ پر اعتراض دفعہ ۱۶۲ ضابطہ فوجداری کے تحت کیا)

ہم نے آتمارام سے دو چاقو لئے تا کہ ان کا موازنہ کیا جا سکے۔ اس ضمن میں فرد تیار کی۔

سوال = آپ کو کس سے معلوم ہوا کہ چاقو مقتول کے پاس کہاں پڑا ہوا تھا۔ اس کو کہاں سے خریدا یا حاصل کیا گیا؟

ملزم کے وکیل نے اس پر اعتراض ان وجوہات کی بنا پر کیا کہ اس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا قانون شہادت کی دفعہ ۲۷ کے تحت اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس کے بارے میں ہائیکورٹ کا ایک فل بینچ فیصلہ دے چکا ہے۔ استغاثہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ملزم نے چاقو خریدنے والی دکان کی از خود نشاندہی کی ہے۔

میری رائے میں ملزم نے جو پتہ بتایا ہے کہ اس نے کہاں سے یہ چاقو خریدا تھا حقائق پر مبنی ہے کہ اس نے یہ چاقو آتمارام کی دکان سے خریدا تھا یہ مسئلہ اس وقت عدالت میں زیر بحث بھی ہے۔ یہ حقیقت میں ذہنی علم ہے جس کی وجہ سے پولیس نے ملزم سے آتمارام کی دکان کا پتہ دریافت کیا اس نے چاقو وہاں سے خریدا لہٰذا میرے نزدیک اس سوال کی اجازت دی جاتی ہے۔

ملزم نے ہم کو بتایا تھا کہ اس نے یہ مخصوص چاقو گمٹی بازار میں واقع دکان سے خریدا تھا۔ مقتول کو اپنی حفاظت کیلئے پولیس گارد مہیا کی گئی تھی۔ وقوع کے روز بھی ایک کانسٹیبل اس کی حفاظت کیلئے دیا گیا تھا اور اس روز کانسٹیبل مقتول کی اجازت سے روٹی کھانے کیلئے گیا تھا۔

جرح

میں نے بھگت رام کا بیان ۶ اپریل اور آتمارام کا بیان ۷ اپریل کو تفتیش کے دوران لیا تھا۔ یہ بیانات درست اور احتیاط کیساتھ جو کچھ گواہوں نے کہا ریکارڈ کئے گئے تھے۔

(ملزم کا وکیل بھگت رام کے بیان کا حصہ اے اور بی اور آتمارام کے بیان کا حصہ سی ان کے بیان کی اصل کاپی سے ثابت کرنا چاہتے ہیں لہٰذا ملزم کو اس کی خواہش کے مطابق ایسا کر دیا گیا)

بھگت رام کے بیان میں حصہ اے اور بی اور آتمارام کے بیان میں حصہ سی درست ہے اور یہ حصے وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو ان دونوں گواہوں نے کہا ہے۔

میں نے وزیر چند (گواہ نمبر ۷) کا بیان مقتول کی دکان پر شام ۵ بجے ریکارڈ کیا تھا۔ وزیر چند کے بیان لینے کے دوران صرف جگہ کے معائنہ کرنے، چاقو کا پارسل بنانے اور لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے بھیجنے میں جو وقت لگا صرف اتنے وقت کا وقفہ ہے۔ میں نے چاقو کی ٹوٹی ہوئی نوک کو تلاش کیا۔ اس کو دو دفعہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں نے ودیا رتن کے بھائی پرکاش چندر کے بیان کو بھی ریکارڈ کیا۔ میں نے اس کو مقدمہ میں گواہ بنانا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے اپنی ڈائری میں بطور یادداشت کے ملزم کے کپڑوں پر خون کے دھبے یا اس کے جسم پر پائے جانے والے نشانات کو نوٹ نہیں کیا تھا اور یہ کہ بعد میں اس

کو ضائع کر دیا۔

یہ کہ آتمارام کی دکان سے چاقو خرید ا گیا تھا اس کی اطلاع ۷ اپریل کو ملی تھی۔ اس وقت انسپکٹر جواہر لال بھی موجود تھا۔ اس کے علاوہ دو خفیہ پولیس کے آدمی بھی موجود تھے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ با آسانی سن سکتے تھے کہ ملزم نے کیا کہا تھا۔ ہم آتمارام کی دکان پر ۷ اپریل کو شام ساڑھے پانچ بجے گئے تھے۔ میں نے آتمارام سے یہ تحقیق نہیں کی تھی کہ چاقو ۷ اپریل کی صبح کو فروخت کیا گیا تھا۔ کومیٹنگ مجسٹریٹ کے روبرو میرا یہ بیان درست طور پر ریکارڈ نہیں کیا کہ آتمارام نے کہا تھا کہ چاقو ۷ اپریل کی صبح کو فروخت کیا گیا تھا۔

(گواہ کا بیان انگریزی میں اس طرح ہے)

آتمارام نے مجھے اس صبح آگاہ کیا کہ اس نے چاقو فروخت کیا تھا اور گواہ نے اس کی وضاحت کی "اس صبح" جس کا حوالہ اس صبح جس روز قتل ہوا یعنی ۶ اپریل ہے۔ اس کا بیان مقامی زبان میں ہے لہٰذا اس وضاحت سے اس پر اثر پذیر نہیں ہوتا۔

ملزم کی شلوار کے دائیں پائنچہ پر جو خون کے دھبے تھے وہ مجھے اس وقت اس کے گھٹنے اور کولہے کے درمیان باہر کی ران پر تھے۔ شلوار پر جو خون کے نشانات تھے وہ قمیض کے کونے سے ڈھکے ہوئے نہیں تھے۔ میں نے قمیض اٹھا کر یا کسی اور چھونے کے طریقے سے خون کے دھبے نہیں دیکھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ملزم نے جو قمیض پہن رکھی تھی وہ اتنی لمبی تھی جس سے اس کی شلوار پر خون کے دھبے چھپ گئے تھے۔

سیشن جج

۱۶-۵-۱۹۲۹ء

گواہ نمبر ۲۰

نام جواہر لال انسپکٹر پولیس سی آئی اے لاہور

میں پولیس سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں تھا کہ ۶ اپریل کو دو بجے کے قریب مجھے راجپال کے قتل کی اطلاع موصول ہوئی۔ میں ایس ایس پی کے ہمراہ وہاں پر ڈھائی بجے پہنچ گیا وہاں پر عوام کا بڑا ہجوم تھا۔ سب انسپکٹر جلال دین گواہوں کے بیانات قلم بند کر رہا تھا۔ مقتول اپنی گدی پر مردہ پڑا ہوا تھا اور آلہ قتل چاقو جو مقتول کے قریب سے پایا گیا تھا وہ ہیڈ کانسٹیبل تارا چند (گواہ نمبر ۱۱) کے قبضہ میں تھا۔ اس وقت یہ چاقو عدالت میں ہے۔ یہ خون سے بھرا ہوا اور اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس وقت ملزم پولیس چوکی لوہاری گیٹ کی تحویل میں تھا مگر ایس ایس پی کے حکم پر اس کو پولیس لائن کی حوالات میں لے جایا گیا۔ مجھے ذاتی

طور پر ملزم کے گھر کی تلاشی کیلئے حکم دیا گیا۔ میں پولیس لائن گیا اور ملزم سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور پھر اس کے گھر کی تلاشی لی۔ ملزم کے گھر کی تلاشی لینے پر وہاں سے کوئی خاص چیز بر آمد نہیں ہوئی۔ ملزم اپنے والد اور بھائی کیساتھ ڈبی بازار کے پیچھے ایک گلی میں رہتا تھا۔ تلاشی لینے کے بعد میں جائے وقوع پر آیا اور پھر یہاں سے پولیس لائن گیا۔ میں پولیس تھانہ چھ اور ساڑھے چھ بجے کے درمیان پہنچا۔ پھر میں نے ملزم کے خون کے دھبے والی قمیض اور شلوار اتروائی۔ میں نے یہ کپڑے دو شخص ایک خوشحال چند (گواہ نمبر ۱۶) اور دوسرا ہری سنگھ کی موجودگی میں اتروائے۔ اس ضمن میں فرد تیار کی گئی۔ میں نے ان دونوں کپڑوں کا پارسل بنانے کے بعد اگلے روز کیمیکل ایگزامنیر کے لئے بھیج دیا۔ شلوار کے ایک پائنچہ میں جو سرخ کا داغ ہے وہ حقیقت میں سرخ سیاہی کا ہے جو میرے سے اس پر گر گئی تھی جس کی فرد موجود ہے۔ میں نے ملزم کے جسم پر بھی زخموں کے نشانات دیکھے۔ میں نے بیان تیار کیا جب میں نے اس کا حلیہ لکھنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں کان چھیدے ہوئے جن میں دھاگہ پڑا ہوا تھا اور ناک کے دائیں کونے پر نشان تھا جس وقت ملزم پولیس لائن کی حوالات میں بند تھا تو اس طرف کے تمام راستے بند تھے۔ ایک سپیشل گارد حوالات پر متعین کر دی گئی تھی تا کہ کوئی بھی شخص ملزم سے رابطہ یا کسی بھی قسم کی اطلاع یا اس کو نہ دیکھ سکے۔ ملزم کو ۱۰ اپریل کی صبح تک حوالات میں رکھا گیا تا وقتیکہ سنٹرل میں مجسٹریٹ کے سامنے انکوائری شروع ہوئی۔ اس کے بعد ملزم جیل میں مقید رہا۔ ۶ اپریل کی شام سے لے کر ۱۰ اپریل کی صبح تک جب کہ اس کو سنٹرل جیل انکوائری کیلئے پہنچایا گیا اس دوران اس سے کسی نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا۔ پولیس لائن میں سول سرجن ڈاکٹر نے ملزم کے جسم پر پائے جانے والے زخموں کا معائنہ کیا۔ ۷ اپریل کی صبح کو میں سیل شدہ پارسل جس میں چاقو تھا ڈاکٹر ڈی آرسی کے پاس لیکر گیا تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے واقعی یہ آلہ قتل میں استعمال ہوا تھا اور اس کی ٹوٹی ہوئی نوک کو بھی تلاش کر سکوں ڈاکٹر ڈی آرسی نے نتیجتاً پارسل بنایا اور پھر اس کو کیمیکل معائنہ کیلئے بھیج دیا۔ ۷ اپریل کی شام کو ملزم نے مجھے بتایا کہ اس نے یہ چاقو گمٹی بازار سے ایک دکان سے خریدا تھا۔ اس نے مجھے دکان کا پتہ اور دکاندار کا حلیہ بھی بتایا۔ اس اطلاع کے نتیجے کے طور پر میں نے آتمارام (گواہ نمبر ۸) کی دکان کا پتہ چلالیا۔ اسی قسم کے چند چاقو آتمارام کی دکان پر رکھے ہوئے تھے۔ آتمارام سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے وقوع کے روز صبح ایک چاقو اسی نوعیت کا فروخت کیا تھا۔ میں نے نمونے کے طور پر دو چاقو اس کی دکان سے لئے جو اس وقت عدالت میں ہیں ان دو چاقوؤں کے ضمن میں سب انسپکٹر نے فرد تیار کی جس پر میرے اور آتمارام کے دستخط ثبت ہیں۔

چاقو کی ٹوٹی نوک نہیں ملی تھی۔ مقتول کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ۹ اپریل کی صبح تک ہسپتال میں رہی کیونکہ اس کے عزیز لاش لینے کیلئے نہیں آئے تھے۔ تقریباً ایک بجے دوپہر میں پولیس دفتر گیا تا کہ ملزم کی

شناخت پریڈ کا اہتمام کروں جس میں آتمارام نے ملزم کی شناخت کرنی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی منظوری کے بعد یہ اہتمام کیا گیا کہ لالہ مکھ راج شناخت پریڈ کی نگرانی کرے گا۔ لالہ مکھ راج نے پریڈ کیلئے شام ۵ بجے کا وقت پولیس لائن میں مقرر کیا۔ میں نے پولیس دفتر سے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو پولیس لائن ٹیلی فون کیا کہ وہ آتمارام کو تھانہ نولکھا لے آئے اور اس کو اس وقت تک وہاں رکھے جب تک اس کو بلایا نہ جائے۔ میں پولیس لائن تقریباً ساڑھے ۴ بجے پہنچ گیا اور جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ ہیڈ کانسٹیبل آتمارام کو تھانہ نولکھا لیکر پہنچ گیا ہے پھر میں مجسٹریٹ کی آمد کا انتظار کرنے لگا اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو قلعہ گوجر سنگھ بھیجا تاکہ وہ ملزم کے ہم عمر اور اس سے مشابہ چند افراد کو پریڈ میں شامل کرنے کیلئے لے آئے۔ مجسٹریٹ شام ۵ بجے پہنچ گیا۔ ان افراد میں سے مجسٹریٹ نے چھ یا سات افراد کو پریڈ میں شامل کرنے کیلئے منتخب کیا اور ٹیلیفون کے ذریعہ تھانہ نولکھا اطلاع دی گئی کہ وہ ملزم کی شناخت کیلئے آتمارام کو پولیس لائن لے آئے جب آتمارام کو لایا گیا تو وہ حوالات کے گیٹ سے پریڈ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جب آتمارام کو حوالات میں لایا گیا تو اس نے پریڈ میں شامل افراد میں سے ملزم کو پہچان لیا۔ یادداشت مجسٹریٹ نے تیار کی اور بعد میں وہ مجھے دے دی۔

جرح

میں نے اس جگہ کی تلاشی نہیں لی جہاں پر ملزم ترکھان کا کام کرتا تھا جب میں نے ملزم کے گھر کی تلاشی لی تھی اس وقت تک مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی کہ اس نے چاقو کہاں سے خریدا یا حاصل کیا تھا میں یہ جانتا تھا کہ ملزم ترکھان تھا۔ ملزم کے گھر کی تلاشی کسی ہتھیار کی تلاش کے سلسلہ میں نہیں لی گئی تھی کیونکہ آلہ قتل پہلے ہی بر آمد ہو چکا تھا۔ میں نے گھر میں (ترکھان) کچھ اوزار دیکھے تھے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جب ملزم نے آتمارام کی دکان کا پتہ بتایا تھا اس وقت میں اور دو سی آئی ڈی افسر اور سب انسپکٹر جلال دین بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے آتمارام سے تفتیش کی اور سب انسپکٹر نے اس کا بیان ریکارڈ کیا۔ مجھے یاد نہیں کہ جب میں آتمارام کا بیان قلم بند کر رہا تھا وہاں کوئی اور آدمی بھی موجود تھا اس کا بیان اس کی دکان کے تھڑے کے نزدیک لیا گیا تھا۔ آتمارام اپنی دکان کے بائیں طرف بیٹھا تھا۔ آتمارام کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ چاقو خریدنے والے کی شناخت کے سلسلہ میں ضرورت پڑنے تک لاہور میں رہے۔ میں نے ملزم کا حلیہ لکھتے وقت اس کے کانوں میں چھیدے نشانات اور ناک کے نزدیک نشان کو قلم بند کیا تھا۔ ملزم کی بائیں آنکھ کے نزدیک جو نشان ہے' ہو سکتا ہے اس وقت میں نے اس کو نہ دیکھا ہو اور اگر میں نے دیکھا بھی ہو تو میں نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ اس نشان کو شناخت کے طور پر درج کر لوں کیونکہ جن نشانات کو میں نے اس کے حلیہ کی شناخت کیلئے مناسب سمجھا تھا۔ وہ میں نے درج کر لئے تھے۔ میں نے ملزم کے

چھیدے ہوئے کانوں سے دھاگہ نہیں نکالا تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں آیا کہ شناخت پریڈ کے دوران ملزم کے چھیدے ہوئے کانوں میں دھاگہ تھا یا نہیں۔

آر اوا ے سی
سیشن جج
۱۹۲۹ء - ۵ - ۱۶

فیصلے

ملزم کا بیان بغیر بیان حلفی

علم الدین ولد طالع مند ذات ترکھان عمر ۱۸ سال بڑھئی سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور

سوال نمبر ۱ = کیا تم نے مورخہ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء بوقت دو بجے دوپہر مرحوم راجپال پر چاقو سے حملہ اس کو قتل کرنے کی نیت سے کیا تھا، کیا تم نے مقتول کے سینے میں چاقو پیوست نہیں کیا جس سے اس کی موت واقع ہوئی؟

جواب = نہیں

سوال نمبر ۲ = کیا تمہارا اوار دات کے موقع سے تعاقب کیا گیا اور ودیا رتن کے ٹال سے اس واقعہ کے فوری بعد گرفتار کیا گیا؟

جواب = میں سبزی منڈی کی طرف سے آرہا تھا اور بغیر کسی وجہ کے مجھے گرفتار کر لیا گیا

سوال نمبر ۳ = کیا تم نے پکڑے جانے کے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ میں کوئی چور نہیں ہوں بلکہ میں نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے؟

جواب = نہیں۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں چور نہیں ہوں۔

سوال نمبر ۴ = کیا گرفتاری کے بعد تمہارے قبضہ سے قمیض اور شلوار بر آمد نہیں ہوئی تھی؟

جواب:..... قمیض میری ہے اور میرے قبضہ سے بر آمد ہوئی تھی لیکن شلوار میری نہیں ہے اور میرے سے بر آمد نہیں ہوئی۔

سوال نمبر ۵ = کیا تم نے قتل کے روز چاقو آتمارام (گواہ نمبر ۱۲) سے خریدا تھا؟

جواب = نہیں

سوال نمبر ۶ = تمہارے خلاف یہ مقدمہ کیوں درج ہوا؟

جواب = میں بے گناہ ہوں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ میرے خلاف یہ جرم کیوں لگایا گیا ہے۔

سوال نمبر ۷ = کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟

جواب = کچھ نہیں۔

اے ڈی ایم لاہور

۲۴ ـ ۴ ـ ۱۹۲۹ء

ملزم کا سیشن کورٹ میں دفاع کا بیان

کراؤن بنام علم الدین

قیدی نمبر۱۔ نام علم الدین ولد طالع مند عمر ۱۸ سال (۲۰ سالہ دکھائی دیتا ہے) ذات ترکھان سکنہ محلہ سریانوالہ لاہور پیشہ۔ بڑھئی

ملزم نے اپنے دفاع میں مندرجہ ذیل بیان دیا۔

میں نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان دیا ہے وہ سن لیا ہے اور وہ درست ہے۔

سوال = کیا تم نے مزید کچھ اور کہنا ہے؟

جواب = جب مجھے پکڑا گیا تو مجھے بہت مارا گیا اور پولیس لائن میں بھی جب مجھے لے جایا گیا تو وہاں بھی خوب مارا۔ جو کچھ میں نے کہا وہ کسی نے نہیں سنا۔ شناخت پریڈ میں مجھے ایک پگڑی اور ایک جوتے کا جوڑا دیا گیا۔ میں نے ان کو پہن لیا لیکن انسپکٹر جواہر لال (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) نے مجھے ان کو اتارنے کو کہا اور میں نے ایسا ہی کیا۔ جب مجسٹریٹ آیا تو مجھے دوسرے لوگوں کیساتھ پریڈ کرائی گئی۔ میرا دوسرا نمبر تھا اور میرے ساتھ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ گواہ (حوالہ آتمارام) آیا اور اس نے اپنا ہاتھ مجھ پر رکھ دیا۔ اسی صبح تقریباً ۹ بجے جب میں حوالات میں آیا۔ انسپکٹر نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا جو میں نے پیا۔ شناخت کے وقت صرف میں نے پگڑی پہنی ہوئی تھی اور کسی نے نہیں پہنی ہوئی تھی اور دوسرے شناخت میں شامل لوگوں نے جوتے پہنے ہوئے تھے جبکہ میں نے جوتے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ جب ڈاکٹر پولیس لائن میں میرا معائنہ کر رہا تھا تو انسپکٹر نے مجھے بتایا کہ میں اپنی دائیں کہنی اور گھٹنے پر آنے والے زخموں کو نہ دکھاؤں۔ مجھے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے اپنے یہ زخم ڈاکٹر کو دکھائے تو مجھے سخت مار پڑے گی۔ جب مجھے پکڑا گیا تھا اس وقت ہندوؤں نے مجھے بہت مارا تھا اور ایک بڑے ترازو کی طرف دھکیلا گیا تھا جس سے میری کہنی اور گھٹنے میں کیل لگنے سے زخم آئے تھے۔ پولیس نے بھی میرے ساتھ بے حد تشدّد کیا۔ اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں کہنا۔

سوال = تمہاری کہنی اور گھٹنے پر جو زخم آئے تھے کیا ان سے خون بہا تھا؟

جواب = ہاں!

سوال = جب تم کو ہندوؤں نے پکڑا تو کیا تم نے یہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی؟

جواب = میں نے قمیض پہن رکھی تھی لیکن شلوار نہیں۔ میں نے دوسری شلوار پہنی ہوئی تھی جو پھٹ گئی تھی۔

سوال = کیا تم نے کوئی اور گواہ عدالت میں پیش کرنا ہے ؟

جواب = نہیں۔

جب بیان پڑھا جا رہا تھا تو ملزم نے مزید اضافہ کیا

جب مجسٹریٹ شناخت کیلئے آیا تو میں نے شکایت کی لیکن کسی نے میری بات کو نہیں سنا۔

دستخط سیشن جج لاہور

۱۶-۵-۱۹۲۹ء

کنگ امپائر بنام علم الدین

فیصلہ

علم الدین اٹھارہ یا بیس سالہ ترکھان سکنہ محلہ سریانوالہ اندرون شہر لاہور پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل کا الزام ہے۔ جس نے ایک ہندو کتب فروش راجپال کو ہسپتال روڈ پر گذشتہ ۶ر اپریل کو قتل کیا۔

مقتول جو ایک پمفلٹ بعنوان "رنگیلا رسول" کا ناشر تھا اس پر حکومت نے دفعہ ۱۵۳/اے تعزیرات ہند کے تحت مقدمہ درج کیا کیونکہ اس کی اشاعت سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان دشمنی پیدا ہوئی تھی۔ اس کو ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا کے علاوہ ایک ہزار روپے جرمانہ بھی ہوا اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں اسے مزید چھ ماہ جیل میں گزارنے پڑیں گے۔ اس کو ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو سزا سنائی گئی اس کی اپیل ۸ر فروری ۱۹۲۷ء کو سنی گئی اور سزا کی مدت چھ ماہ کر دی گئی اور جرمانہ برقرار رکھا گیا۔

نظر ثانی کی درخواست ہائیکورٹ میں دائر کی گئی۔ جس کی بناء پر مجرم کی سزا کو ۴ر مئی ۱۹۲۷ء کو معاف کرتے ہوئے بری کر دیا گیا۔ اس کی وجوہات یہ بیان کی گئیں کہ اگرچہ پمفلٹ میں مسلمانوں کے مذہب کے بانی پر سخت فحش زبان میں طنز کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب پر حملہ کیا گیا ہے جس سے ہندو اور مسلمان قوموں کے درمیان دشمنی یا نفرت پائی جاتی ہو۔ لہٰذا مقدمہ دفعہ ۱۵۳/اے کے دائرے میں نہیں آتا۔

شہادت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقتول پر اس سے پہلے بھی دو دفعہ قاتلانہ حملے کئے گئے جس کے نتیجے میں اس کے گھر پر پولیس گارد اس کی غیر موجودگی میں نہیں بٹھائی گئی اور جب وہ ۴ر اپریل کو واپس آیا تو گارد کو بحال نہیں کیا گیا جیسا کہ مقتول کے ملازمین (گواہ نمبر ۲ اور ۳) کیدار ناتھ اور بھگت رام نے بتایا۔

سب انسپکٹر جلال الدین (گواہ نمبر ۱۹) نے بتایا کہ اس کو ایک کانسٹیبل مہیا کر دیا گیا تھا لیکن وقوع کے وقت وہ مقتول کی اجازت سے کھانا کھانے چلا گیا تھا۔ یہ نکتہ کوئی اہمیت کا حامل نہیں ہے لہٰذا میں ان دونوں ملازمین کی گواہی کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں اور میرے خیال میں سب انسپکٹر کی گواہی میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے کیونکہ عام طور پر پولیس مین دوپہر کو کھانا نہیں کھاتے۔

جیسا کہ نقشہ ای ایکس پی / جے جس کو محمد عثمان ڈرافٹ مین نے بنایا ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ ہسپتال روڈ انارکلی بازار کے قریب لوہاری چوک سے جاملتا ہے جو کہ جنوب مغرب سے شمال مشرق کو ہے۔

مقتول کی دکان انار کلی بازار اور لوہاری گیٹ چوک سے جنوب مشرق کی طرف ہے۔

دکان دو کمروں جو کہ آگے پیچھے ہیں اور ایک لکڑی کا نچلا تھڑا جو کہ سامنے ہے اس پر مشتمل ہے۔ دو دروازے بیرونی کمروں کی طرف جاتے ہیں اور پھر دو دروازے اندر کے کمروں کو جاتے ہیں۔ دکان کے اوپر گورو گھنٹال کا دفتر ہے۔

وہ دن جو زیر سوال ہے تقریباً دو بجے دن کو مقتول اپنی گدی پر بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا جیسا کہ نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ بیرونی کمرے کے باہر کے دروازے کے نزدیک بیٹھا تھا کیدار ناتھ (گواہ نمبر ۲) جو کہ مقتول کا ملازم ہے وہ اندرونی کمرے میں کام کر رہا تھا (نقشہ میں پوائنٹ نمبر ۲) جبکہ بھگت رام (گواہ نمبر ۳ مقتول کا دوسرا ملازم لکڑی کی سیڑھی پر کھڑا شیلف میں کتابیں رکھ رہا تھا۔

ان دو چشم دید گواہوں کے مطابق قاتل اپنے ہاتھ میں چاقو لئے ہوئے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے مقتول پر حملہ کیا اور اس کے سینے پر وار کیا۔ چاقو کو پھینکا یا نیچے رکھ دیا اور باہر ہسپتال کی طرف بھاگا۔ جب کیدار ناتھ اور بھگت رام نے اپنے مالک پر حملہ ہوتے دیکھا تو انہوں نے قاتل پر کتابیں پھینکیں۔ وہ زور سے چلائے اور اس کے تعاقب میں بھاگے۔ کیدار ناتھ اور بھگت رام کی چیخ وپکار نے نانک چند اور پرمانند کی توجہ اپنی طرف کر لی (گواہ نمبر ۴ اور ۵) اور وہ بھی ان کیساتھ تعاقب کرنے میں شریک ہو گئے۔ ملزم کے پیچھے پرمانند تھا جس نے دیکھا کہ ملزم ودیارتن کے ٹال میں گھس گیا جو اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا جیسا کہ نقشہ میں پوائنٹ نمبر ۶ پر دیکھا گیا ہے۔ ودیارتن جس نے ملزم اور تعاقب کرنے والوں کو اپنے دفتر کے دروازے میں سے جو سڑک کی طرف کھلتا تھا اس میں سے ان کو دیکھا وہ صحن میں دوسرے دروازے سے گیا۔ ملزم واپس مڑا (نقشہ نمبر ۷) ودیارتن اس سے ٹکرایا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔ نقشہ نمبر ۸ کا پوائنٹ ظاہر کرتا ہے جب تعاقب کرنے والے آئے اس وقت تک ملزم پر پوری طرح قابو پایا جا چکا تھا۔ اس وقت ملزم نے کہا تھا کہ وہ کوئی چور یا ڈاکو نہیں ہے بلکہ اس نے محمدؐ کا بدلہ لے لیا ہے۔

وزیر چند (گواہ نمبر ۷) جو گوجرانوالہ کا ٹھیکیدار ہے وہ گورو گھنٹال کے دفتر میں بیٹھا ایڈیٹر سے باتیں کر رہا تھا اس وقت اس نے شور سنا "مار دیا' مار دیا" "پکڑو" اور راستے میں کسی چیز کے گرنے کی آواز بھی سنی۔ جب اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس نے سڑک پر کچھ کتابوں کو پڑا ہوا پایا اور ایک آدمی جس نے سرخ دھاری والی قمیض (ملزم نے تسلیم کیا کہ یہ اس کی قمیض تھی) سفید پگڑی اور سفید شلوار قمیض پہنے ہوئے سڑک پر بھاگ رہا تھا۔ جس کے تعاقب میں دو یا تین افراد تھے۔

وہ بھی تعاقب کرنے والوں کی چیخ وپکار میں شامل ہو گیا اور سیڑھیوں سے نیچے آ کر اس کے تعاقب میں بھاگا جب میں ودیارتن کے ٹال پر پہنچا تو اس کو قابو میں کر لیا جس کو بعد میں بطور ملزم کے شناخت کی۔ اس گواہ نے بتایا کہ ملزم کو جب پکڑا گیا تو اس نے اپنے بازو بلند کئے اور کہا کہ میں نہ تو چور ہوں اور نہ ہی ڈاکو

ہوں بلکہ میں نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے ملزم کو پکڑنے والے اُسے مقتول کی دکان پر لائے اور اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جس میں کانسٹیبل رحمت خاں (گواہ نمبر ۹) برکت علی ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۰ اور تارا چند ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۱) سب سے پہلے جائے واردات پر پہنچے۔ ملزم کو ہتھکڑی لگائی اور اس کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی رحمت خاں کانسٹیبل لے کر گیا۔ سب انسپکٹر جلال الدین کو بذریعہ تار پیغام کچہری تھانے اطلاع دی گئی لیکن ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اس کو بتایا گیا کہ ملزم کو گرفتار کر کے پولیس چوکی لوہاری گیٹ پہنچا دیا گیا ہے لہٰذا وہ پہلے وہاں گیا۔ اس نے دیکھا کہ ملزم کی قمیض کی دائیں آستین پر خون کے دو چھوٹے دھبے تھے اور شلوار کے دائیں پائنچے پر خون کا دھبہ تھا۔ اس نے ان دھبوں کو نوٹ کیا اور یہ بھی دیکھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی ضرب کا نشان تھا۔ دوسرا زخم بائیں ہاتھ کی انگلی اور تیسرا دائیں ہاتھ کی کہنی پر بھی زخم تھا۔ اس کے بعد انسپکٹر جائے وقوع کی طرف روانہ ہوا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل نے آلہ قتل چاقو کو پہلے ہی اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو اس کو مقتول کے قریب پڑا ہوا ملا تھا۔ اس پر سب انسپکٹر کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ چاقو کا خاکہ بنانے کے بعد اس کو پارسل میں محفوظ کر لیا گیا اور اس کو سیل کر دیا گیا۔

کیدار ناتھ کے بیان کو سب سے پہلے قلم بند کیا گیا اور اسی کو ہی ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ پھر دوسرے گواہان کا بیان قلم بند کیا گیا۔ اسی دوران سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور انسپکٹر جواہر لال (گواہ نمبر ۲۰) وہاں پہنچ گئے۔ مقتول کے زخموں کی رپورٹ تیار کرنے کے بعد اس کو پوسٹ مارٹم کے معائنہ کیلئے لاش کو ہسپتال بھیج دیا گیا۔

ایس ایس پی کے حکم کے مطابق ملزم کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی سے سول لائن کے تھانے میں بند کر دیا گیا۔ انسپکٹر جواہر لال نے ملزم کے گھر کی تلاشی لینے کے بعد وہاں سے خوشحال چند (گواہ نمبر ۱۶) کی موجودگی میں وہاں سے اس کی قمیض اور شلوار برآمد کی جس کو ملزم پہنے ہوئے تھا اور ان پر خون کے دھبے بھی موجود تھے۔ شام کو انسپکٹر تھانہ سول لائن کے سامنے انکا بھی پارسل بنایا گیا اس کو سیل کرنے کے بعد کیمیکل ایگزامینر کیلئے روانہ کر دیا گیا۔ ۷ اپریل کی شام کو ملزم کے بتانے پر آتما رام (گواہ نمبر ۸) جو کہ کباڑیہ یا پرانی چیزوں کے فروخت کرنے کا سٹور چلاتا ہے اس کا پتہ انسپکٹر جواہر لال اور سب انسپکٹر جلال الدین سے لگا لیا گیا جو کہ گمٹی میں کاروبار کرتا ہے۔ اس کی دکان پر ایک ہی جیسے کئی چاقو نظر آئے اور اس نے بتایا کہ گذشتہ روز اس نے ان چاقوؤں سے ملتا جلتا چاقو ملزم کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ دونوں پولیس افسروں نے وہاں سے دو چاقو لئے اور یادداشت تیار کی۔

اس ضمن میں جو ملزم نے آتما رام کی دکان کے بارے میں انکشاف کیا ہے میں نے اس بات کو بھی نوٹ کیا ہے کہ مسٹر سلیم نے ان حقائق پر اعتراض کیا ہے کہ دونوں پولیس افسران نے اپنے ذہنی علم کی

بدولت ایسی بات بنائی ہے۔ جس کے تحت انھوں نے آتمارام کی دکان کا سراغ لگایا اور حال ہی میں فل بنچ ہائیکورٹ کا فیصلہ قانون شہادت کی دفعہ ۲۷ کے تحت اہم واقعات پر لاگو ہوتی ہے نہ کہ ذہنی حقائق پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

ان دلائل کا فائدہ معزز کونسل کی اختراع کو جاتا ہے لہٰذا میں اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ہوں اور گواہ کی صرف اتنی بات ہی اہم ہے کہ چاقو آتمارام کی دکان سے خریدا گیا تھا۔ اس کا انکشاف خود ملزم نے کیا ہے اور اسی کے انکشاف کرنے پر دکان کا پتہ چلا یا گیا۔ اگر ملزم چاقو لے جاتا اور اس کو چھپا دیتا تو پھر اس بات کی شہادت ہوتی کہ اس نے کہاں پر چھپایا اور کہاں سے اس کو برآمد کیا گیا۔ شناخت کے طور پر دو ایک جیسے چاقو پیش کئے گئے اور ملزم نے واردات میں استعمال ہونے والے چاقو کو پہچان لیا جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ یہ اہم حقائق ہیں اس کے علاوہ اس مقدمہ میں کسی اور چیز کو برآمد نہیں کرنا تھا کیونکہ یہی چاقو بطور آلہ قتل استعمال ہوا تھا۔

۹ اپریل کو تھانہ پولیس لائن میں شناخت پریڈ مجسٹریٹ درجہ اول ایل ملکھ راج کی سربراہی میں کرائی گئی جس میں چھ افراد میں سے آتمارام نے اس شخص کو پہچان لیا جس نے اس کی دکان سے چاقو خریدا تھا۔ آتمارام، لالہ ملکھ رام اور انسپکٹر جواہر لال کی شہادتوں کو اور اس محضر نامہ کو بھی دیکھو جو مجسٹریٹ کی موجودگی میں تیار کیا گیا۔

آتمارام کی گواہی سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے چھاؤنی کے ایک میڈیکل سٹور سے پانچ سو کے قریب چاقو نیلام میں تین سال یا اس سے کچھ پہلے خریدے تھے۔

ان چاقوؤں میں سے کچھ چاقو اس نے اپنی دکان کے باہر فروخت کرنے کیلئے لگائے ہوئے تھے کہ ۸ اپریل کی صبح کو ملزم اس کی دکان پر آیا اور پوچھا کہ کیا کوئی چاقو اس کے پاس فروخت کرنے کیلئے ہے۔ آتمارام نے اس کو کچھ چاقو دکھائے جن میں سے ملزم نے ایک چاقو پسند کیا اور تھوڑی دیر سودا بازی کرنے کے بعد چاقو کی قیمت ایک روپیہ طے ہوئی۔ ملزم نے آتمارام سے کہا کہ وہ اس چاقو کو علیحدہ رکھے تاکہ وہ اس اثناء میں روپیہ لے آئے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا اس نے ایک روپیہ ادا کیا اور چاقو لے لیا۔

آتمارام نے مزید حلفی بیان دیا کہ اس نے ملزم کو اس لئے شناخت کر لیا کہ جس وقت اس نے چاقو خریدا تھا تو اس نے دیکھا تھا کہ ملزم کے دونوں کان چھیدے ہوئے تھے جن میں دھاگہ پڑا ہوا تھا اور ناک کی دائیں طرف ایک نشان تھا۔ انسپکٹر نے اپنی گواہی میں بتایا کہ جس وقت اس نے ملزم کا حلیہ اپنی ڈائری میں لکھا تھا تو یہ دونوں باتیں اس نے لکھی تھیں یہ بھی درست ہے ملزم کی ناک کی دائیں طرف ایک نشان ہے اور ایسے بھی شواہد ملتے ہیں کہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے۔ اس نکتہ پر میں جب کارروائی اختتام پذیر ہوگی اس وقت بحث کروں گا۔ آتمارام کی باقی گواہی ملزم کی شناخت سے تعلق رکھتی ہے۔

ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۳) کی گواہی کو سرسری طور پر دیکھتے ہوئے کہ جو پوسٹ مارٹم تک لاش کے پاس رہا۔ گردھاری لال (گواہ نمبر ۱۴) جس نے لاش کی شناخت کی اور شیر محمد (گواہ نمبر ۱۷) جس چاقو اور کپڑوں کا پارسل جس پر خون کے نشانات تھے کیمیکل ایگزامینر سے وصول کئے اب میں میڈیکل رپورٹ کی طرف آتا ہوں۔

ڈاکٹر ڈی آر سی کے مطابق مقتول کے جسم پر آٹھ زخم آئے۔ جس میں سے چار زخموں نے اس کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو چیر ڈالا تھا جبکہ دائیں ہاتھ کی درمیان والی انگلی بائیں انگلی میں بھی جلد کی گہرائی تک زخم آئے۔ پانچویں زخم نے اس کے سر کو چیر ڈالا اور جو کھوپڑی کی کھال تک گہرا آیا۔ جس سے کھوپڑی کی دائیں طرف ٹوٹ گئی۔ دو گہرے زخم بائیں طرف کندھے پر آئے۔ سب سے زیادہ گہرا زخم بائیں طرف چھاتی پر آیا جو پسلیوں کو چیرتا ہوا بائیں پھیپھڑے سے ہوتا ہوا دل تک آیا اور یہی زخم موت کا سبب بنا۔
وہ چاقو جو مقتول کے پاس سے ملا تھا اس کی نوک آگے سے ٹوٹی ہوئی تھی اور انسپکٹر جواہر لال نے ڈاکٹر ڈی آر سی سے کہا تھا کہ اس کا ٹوٹا ہوا نوک کا ٹکڑا مقتول کے جسم میں سے تلاش کرنے کی کوشش کرے مگر اس میں اس کو کامیابی نہ ہوئی۔

گواہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ٹوٹے ہوئے نوک کی وجہ سے ہی چھاتی کے بائیں طرف گہرا زخم آیا ہو کیونکہ اس طرح استعمال کرنے میں زیادہ طاقت استعمال ہوئی ہو جس قسم کے زخم کی طرف ڈاکٹر ڈی آر سی نے نشاندہی کی ہے! اس کے بارے میں میرا خیال ہے۔ کہ بڑی حد تک زیادہ طاقت کا استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ڈی آر سی کی شہادت سے مزید پتہ چلتا ہے۔ کہ چاقو نہایت تیز تھا۔ چاقو کی کل لمبائی ساڑھے تیرہ انچ تھی جس میں ساڑھے ۸ انچ لمبا اس کا پھل (بلیڈ) تھا۔ ڈاکٹر کی رائے میں مقتول کی ہتھیلی پر جو زخم آئے ہیں وہ اس نے اپنی جان بچانے کیلئے ملزم سے مقابلہ کے دوران کھائے ہیں۔

اس کی یہ بھی رائے تھی۔ کہ وہ خون کے نشان جو قاتل کے کپڑوں پر پائے گئے ہیں اس خون کے نہ ہوں جو زخم سے نکلا ہو۔ جرح کے دوران دوسرے اور نکات جن پر بحث کی گئی ہے میرے خیال میں اتنے اہم نہیں ہیں۔
چاقو اور لباس کے کپڑوں کو جو کیمیکل ایگزامینر کیلئے بھیجا گیا تھا اس کی رپورٹ کے مطابق ان دونوں چیزوں پر انسانی خون کے دھبوں کے نشان ہیں۔
ڈاکٹر ڈی آر سی نے ۷ اپریل کی دوپہر کو ملزم کا بھی طبی معائنہ کیا تھا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلی اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے نزدیک چھوٹی انگلی پر بھی زخم آئے تھے۔ یہ نشان گواہی کے نزدیک اس کے ترکھان ہونے کے پیشہ کی وجہ سے بھی آ سکتے ہیں۔

ملزم نے مجسٹریٹ کو بتایا تھا کہ اس نے مقتول کو قتل نہیں کیا تھا لیکن اس بات کو تسلیم کیا کہ اس کو ودیا رتن کے ٹال سے گرفتار کیا گیا جبکہ وہ سبزی منڈی کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس نے ان لفظوں سے بھی انکار کیا جو اس نے پکڑے جانے کے وقت استعمال کئے تھے کہ وہ چور نہیں ہے۔ اس نے اس کو بھی تسلیم کیا کہ قمیض اس کی ہے جبکہ شلوار اس کی نہیں ہے۔ اس نے اس امر سے بھی انکار کیا کہ اس نے چاقو آتمارام سے خریدا تھا لیکن اس ضمن میں وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔

اس عدالت میں اس نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان دیا ہے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ پولیس نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ شناخت کی صبح کو انسپکٹر جواہر لال نے آتمارام کو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تھا دوسرے تمام شناخت میں شریک افراد نے اس کے علاوہ سب ہی نے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی نے پگڑی بھی نہیں باندھی ہوئی تھی۔ اس نے مزید بیان دیا کہ جب وہ پکڑا گیا تو ہندوؤں نے اس کو بہت مارا اور پھر وزن تولنے والے کانٹے پر اس کو دھکا دیا جس سے اس کی کہنی اور گھٹنے میں زخم آئے۔ ملزم نے اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا ہے لہٰذا اس کے بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خون کے وہ دھبے جو قمیض کے دائیں بازو پر پائے گئے ہیں وہ کیل لگنے کی وجہ سے زخم کے خون کے ہوں۔ وہ اس کے بھی دلائل دیتا ہے کہ وہ دھبے جو شلوار پر پائے گئے ہیں وہ کیل لگنے کی وجہ سے ہو سکتے ہیں لیکن اس سے انکار کرتا ہے کہ شلوار اس کی ہے۔ اس نے اپنے دفاع میں کوئی ٹھوس شہادت مہیا نہیں کی ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران دو مسلم اور دو ہندو اسیسر (ثالث) نے عدالت کی مدد کی۔ اول الذکر کی رائے میں ملزم پر قتل کا جرم ثابت نہیں ہوتا ہے جبکہ مؤخر الذکر کے نزدیک یہ جرم ثابت ہوتا ہے۔ مسلمان اسیسر کی رائے کو قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ اس میں ان کے مذہبی جذبات شامل ہیں۔ مجھے یہی تاثر ملتا ہے جبکہ دونوں ہندو اسیسر کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ مقتول کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی رائے بھی یکساں جذبات رکھتی ہے۔ میری اپنی رائے کے مطابق جبکہ میں نے گواہوں اور دوسری شہادتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ملزم پر قتل کی فرد جرم درست ثابت ہوتی ہے۔

مسٹر سلیم کا یہ کہنا کہ کسی بھی شخص نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا اور یہ کہ اگر دو آدمی موجود ہوں تو پھر قاتل ان کی موجودگی میں قتل کرنے کے بعد جائے وقوع سے فرار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے وہاں پر کوئی عینی شاہد بھی نہیں تھا۔ میرے خیال میں یہ دلائل کوئی وزن نہیں رکھتے ہیں۔ حقائق سے بالاتر کہ کیدار ناتھ اور بھگت رام ہندو ہیں اور دونوں ہی مقتول کے ملازم بھی ہیں۔ لہٰذا ان کی شہادت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ایسی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ قاتل اور مقتول کے درمیان کوئی کشمکش ہوئی ہو۔ جس کی بنا پر جیسے کے معزز وکیل نے اشارہ کیا ہے کہ زخم اسی کی وجہ

ے آئے ہیں۔ جس حالت میں مقتول تھا اس حالت میں اپنے بچاؤ کرنے کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میڈیکل شہادت بھی کیدار ناتھ اور بھگت رام کی گواہی کی تائید کرتی ہے کہ مقتول گدی پر بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا۔ میری رائے میں ہاتھوں، سر اور کندھوں پر جو زخم آئے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں۔ کہ مقتول نے اپنے بچاؤ کیلئے جدوجہد کی ہے۔ جب قاتل نے یہ دیکھا کہ اس کے وار زیادہ کارگر نہیں ہو رہے تو پھر اس نے چاقو کی نوک مقتول کے سینے میں پیوست کر دی۔ لیکن اس قسم کے مفروضات اور قیاس آرائی کیدار ناتھ اور بھگت رام کی شہادت کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیونکہ ان دونوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مقتول کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ حقائق کہ قاتل پر کچھ کتابیں پھینکی گئی تھیں اس کی تائید وزیر چند (گواہ نمبر ۷) نے بھی کی ہے۔ شہادت میں اس کا فرق کہ چاقو کس طرف پڑا ہوا تھا میرے خیال میں اہمیت نہیں رکھتا۔ مسٹر سلیم نے ان حقائق پر زور دیا ہے۔ کہ چاقو پیچھے رہ گیا تھا اور برکت علی کے مطابق (گواہ نمبر ۱۰) چاقو کا پھل (بلیڈ) ڈیسک میں گھسا ہوا تھا جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حملہ آور نے مارنے میں وقت لیا لیکن چاقو کی اس پوزیشن کو برکت علی اور ہیڈ کانسٹیبل تارا چند نے خود اختلاف کرتے ہوئے بتایا۔ کہ چاقو کیش بکس اور ڈیسک کے درمیان پڑا ہوا تھا لہٰذا یہ دلیل دی جا سکتی ہے۔ کہ بھگت رام نے جو کتابیں ملزم پر پھینکی تھیں اس کے نشانات ملزم کی کمر پر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بھگت رام سے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے کہ کتابیں ملزم کو لگی ہوں۔ ایسے موقع پر ایک معمولی گواہی کے بارے میں یہ سمجھ لینا نااہلیت ہے۔ کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے، وہ درست ہے۔ اس قسم کے معاملہ میں ایک منٹ سے بھی کم عرصہ لگتا ہے۔ آیئے ایک منٹ کیلئے اس تمام واقعہ کو تصوراتی طور پر دہراتے ہیں جس سے ہم کو ایک خیال ہو جائیگا کہ اس عمل میں کتنا عرصہ لگا ہو گا۔ ملزم اپنے ہاتھ میں چاقو لئے مقتول کی دکان میں داخل ہوا مقتول کے جسم پر دو یا تین جلدی جلدی ضربات لگائیں۔ چاقو کو رکھا یا نیچے پھینکا اور بازار میں بھاگتا ہے۔ اس تمام عمل میں کتنا عرصہ لگے گا۔ میرے خیال میں ایک منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ یہ تمام معاملہ کس قدر جلدی ختم ہو گیا اس حقائق سے ظاہر ہے کہ کیدار ناتھ جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے آ گیا اور بھگت رام سیڑھی سے نیچے اتر آیا اور ملزم بازار میں دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا معزز کونسل نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ مقتول کو ختم کیا جا چکا تھا اور مارنے والا مسلمان تھا۔ ہندو گواہوں نے اس کو بحیثیت ایک قاتل کے پکڑا تھا اس قسم کے دلائل میں بظاہر معقولیت کی کمی ہے اور تمام معاملہ میں اثبات جرم نہیں ہے۔ وہ یہ بتانے میں ناکام رہا ہے کہ اس مخصوص اور بے گناہ مسلمان راہ گیر کے کپڑوں پر خون کے دھبے کیسے آئے ہیں۔

میں نے مختلف اختلافی نکات پر خصوصی توجہ دی ہے۔ خاص طور پر شہادتوں اور پولیس کے درمیان جو اختلاف رائے ہے اس کو بہت ہی غور سے دیکھا ہے۔ موجودہ عدالت اور کومٹنگ کورٹ جج کے درمیان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ اتنی اہمیت کے حامل نہیں ہیں اور اس سے کہانی کی صداقت پر کوئی اثر

نہیں پڑتا۔ جرم کرنے کے بعد آدھے گھنٹے سے زائد عرصہ جرم کو کرنے 'مجرم کو پکڑنے اور پولیس کا پہنچنے کے بعد تفتیش شروع کرنے میں نہیں لگتا۔ معزز کونسل نے ان الفاظ کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ جو اس نے پکڑے جانے کے وقت ادا کئے تھے لیکن یقیناً اس قسم کی کہانی بناتے وقت ان کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ گواہ سے کہا جائے کہ وہ وہی الفاظ دہرائے جو اس نے ملزم سے سنے ہوں۔ ہم صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس کے بیان سے ان الفاظ کی طرف صرف اشارہ یا نکتہ ہی مل سکتا ہے۔ اس سے اتفاق کرتا ہوں اور یہی کافی ہے۔

مجھے آتمارام کے اس بیان پر کہ ملزم نے اس کی دکان سے چاقو خریدا تھا یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ہے کیونکہ اس نے ملزم کی پہچان بھی کی ہے آتمارام بہت ہوشیار اور عقل مند بوڑھا آدمی ہے کیونکہ وہ ایک کباڑیا ہے۔ ملزم کی شناخت اور چاقو خریدنے کے درمیان صرف تین روز کا وقفہ ہے اور گواہ نے ملزم کے حلیہ کے بارے میں جو بیان انسپکٹر جواہر لال کو دیا ہے وہ بہت واضح ہے۔ میرے خیال میں ملزم کی شناخت کرنے پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ ملزم کے بارے میں پہلے سے اشارہ کر کے بتایا گیا تھا لیکن اگر ایک لمحہ کیلئے ہم اس شک کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں تو بتائیے یہ کس طرح مقدمہ پر اثر پذیر ہوگی۔ میرے خیال میں اس کا ذرا بھر بھی اثر نہ ہوگا ملزم کا اس قتل کیساتھ تعلق تمام تر دو عینی شاہد بھگت رام اور کیدار ناتھ کے علاوہ نانک چند 'پرما چند' ودیا رتن اور وزیر چند اور خون کے وہ دھبے جو اس کے کپڑوں پر پائے گئے ہیں ان سے گہرا تعلق ہے۔ یہ ایک مضبوط بنیاد ہے جس کی بنا پر ملزم کو قاتل قرار دیا جاسکتا ہے۔

میں یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ چاقو کی نوک کے ٹوٹنے پر بحث کی جائے کیونکہ شہادت موجود ہے کہ قتل کرنے کیلئے کسی آلہ کو استعمال کیا گیا ہے۔ آیا کہ نوک پہلے ٹوٹی یا بعد میں ٹوٹی اس سے مقدمہ پر کوئی اثر یا فرق نہیں پڑتا۔

شہادت سے تب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو مقتول پر حملہ کرتے اور چاقو مارتے ہوئے دیکھا۔ اس کا تعاقب کیا اور جائے واردات سے دس گز کے فاصلہ پر لوگوں نے اس کو پکڑ لیا جبکہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ انسانی خون کے دھبے بھی اس کے لباس پر پائے گئے تھے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق یہ مقتول کے خون کے دھبے تھے جو ملزم کے کپڑوں پر لگ گئے تھے۔ لیکن میرے خیال میں یہ خون کے دھبے اس آلہ قتل کے تھے جو مقتول کیلئے استعمال کیا گیا تھا اور اس کے جسم سے جو خون اس پر لگا وہی ملزم کے کپڑوں پر بھی لگ گیا۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خون ہر صورت میں مقتول کے جسم کا ہی تھا۔ جب ملزم کو قابو کیا گیا تو اس نے اپنے فعل کو تسلیم کیا اور کہا کہ اس نے محمدؐ کے دشمنوں سے بدلہ لے لیا ہے۔ اس قدر واضح اور صاف اقرار کے بعد اب اس پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ اس نے آتما

رام سے چاقو خرید اتھا یا نہیں کیونکہ آتمارام نے خود اپنی شہادت میں چاقو کے خریدار کی اچھی طرح شناخت کی ہے۔ یہ مقدمہ بالکل واضح اور صاف ہے میں دو اسیسر کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ ملزم علم الدین نے راجپال کو قتل کیا ہے۔ کوئی بھی شخص اس گمراہ نوجوان پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس نے تعصبانہ جذبہ کے تحت اس قدر بزدلانہ اور ظالمانہ فعل سرزد کیا۔ اس کا مقصد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ قتل ہے اور اس کے بدلہ میں اسے سخت سزا ملنی چاہیے۔

لہٰذا میں ملزم علم الدین کو دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کے تحت ملزم گردانتے ہوئے ہائیکورٹ کی سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں اور اس کو پھانسی کا حکم دیتا ہوں کہ اس کو اس وقت تک پھانسی پر لٹکا یا جائے جب تک مر نہیں جاتا۔

دستخط سیشن جج

لاہور

۱۹۲۹ء ۔ ۵ ۔ ۲۲

مجرم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ سات یوم کے اندر اندر اپیل کر سکتا ہے اس کو فیصلہ کی نقل مہیا کر دی جائیگی اور مقدمہ کا ریکارڈ ہائیکورٹ میں جمع کرا دیا جائے گا تا کہ سزائے موت کی توثیق ہو سکے ۔ اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تاخیر نہیں ہوگی

دستخط سیشن جج

لاہور

۲۲ مئی ۱۹۲۹ء

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ

تاریخ سماعت = ۱۵ جولائی ۱۹۲۹ء

علم الدین ولد طالع مند قوم ترکھان بعمر ۲۰/ ۱۹ سال سکنہ محلّہ سریانوالہ اندرون شہر لاہور بتاریخ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو راجپال کے قتل کا مرتکب ہوا ہے اور تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت اس کو سزائے موت دی گئی۔ اس نے سزائے موت کے خلاف اپیل کی جو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۷۴ کے تحت ہمارے سامنے موجود ہے۔

مقتول ہندو کتب فروش تھا جس کی دکان ہسپتال روڈ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس ضمن میں تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳/اے کے تحت اس پر مقدمہ چلا گیا جس میں اس کو جنوری ۲۷ء میں سزا ہوئی۔

مئی ۱۹۲۷ء میں ہائیکورٹ نے اس کی سزا کو معاف کر دیا۔ مذکورہ پمفلٹ اشتعال انگیز تھا۔ جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی تھی۔ مسلمان اس وقت زیادہ مشتعل ہو گئے جب ہائیکورٹ نے اس کی سزا کو معاف کر دیا۔ ہائیکورٹ سے بَری ہونے کے بعد اس پر دو قاتلانہ حملے کیے گئے جس کے نتیجہ میں اس کی حفاظت کیلئے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔

حال ہی میں جب وہ ہردوار گیا تو اس کی غیر حاضری میں پولیس کا پہرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ وہ ہردوار سے ۴ اپریل کو واپس آیا۔ اس کی واپسی کی اطلاع پولیس گارد کو ہوئی یا نہیں (یہ امر وضاحت طلب ہے) اس کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ ۶ اپریل بوقت دو بجے دن اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس کے قاتل نے مہلک ضربات لگا کر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جیسا کہ میڈیکل رپورٹ کی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے آٹھ مہلک زخم لگائے جس میں سے سات کے علاوہ ایک نہایت ہی گہرا زخم تھا۔ اس دوران مقتول نے اپنے دفاع کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اس کے ہاتھ پر چار زخم آئے۔ اس کے سر پر ایک زخم لگا جس سے دائیں طرف کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دو شدید زخم بائیں ہڈی پر آئے اور ایک گہرا زخم اس کی چھاتی پر آیا۔ یہ آخری زخم اس کے دل کے پار ہو گیا اور یہی زخم اس کی موت کا سبب بھی بنا۔

اپیل کنندہ نے آتمارام (گواہ نمبر ۸) سے ۶ اپریل کی صبح کو ایک چاقو خریدا اور اسی روز دن دو بجے وہ مقتول کی دکان پر پہنچا اور مقتول پر اس وقت حملہ کیا جب وہ برآمدے کے باہر گدی پر بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا۔ حملہ آور کو کیدار ناتھ (گواہ نمبر ۲) اور بھگت رام (گواہ نمبر ۳) جو کہ مقتول کے ملازم ہیں اور اس وقت

وہاں موجود تھے انھوں نے شہادت دی۔ اول الذکر بر آمدے کے اندر بیٹھا کام کر رہا تھا جبکہ مؤخر الذکر بر آمدے کے باہر سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں الماریوں میں رکھ رہا تھا۔ انھوں نے شور مچایا۔ انہوں نے درخواست گزار پر اپنی کتابیں پھینکیں جس نے اپنا چاقو پھینکا اور باہر دوڑ گیا۔ اس کا تعاقب کیدار ناتھ اور بھگت رام نے کیا۔ ان کیساتھ باہر سے نانک چند (گواہ نمبر ۴) اور پرمانند (گواہ نمبر ۵) بھی اس کے تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ درخواست گزار لکڑیوں کے ٹال کی طرف مڑا جس کا مالک ودیا رتن اپنے دفتر کے دروازے میں سے اس کا تعاقب دیکھ رہا تھا جونہی وہ ٹال میں داخل ہوا اس نے اپیل کنندہ کو دوسرے تعاقب کرنے والوں کی مدد سے پکڑ لیا۔

اس وقت اپیل کنندہ نے بار بار اونچی آواز میں کہا نہ تو وہ چور ہے اور نہ ہی کوئی ڈاکو ہے بلکہ اس نے محمدؐ کا بدلہ لے لیا ہے۔ علم الدین کو پھر مقتول کی دکان پر لائے۔ پولیس کو مطلع کیا گیا جو اس کو تفتیش کیلئے لے گئی۔ کیدار ناتھ نے نہایت ہی مختصر رپورٹ لکھائی اس نے اپنی اس رپورٹ میں علم الدین کے اس اعلان کا ذکر نہیں کیا جو اس نے پکڑنے کے وقت کہا تھا اور نہ ہی اس نے اپنے ساتھی ملازم کے نام کا ذکر کیا۔

اگلے روز علم الدین کے بیان کی روشنی میں آتمارام کی دکان کا پتہ کیا گیا۔ ۱۹ اپریل کو شناخت پریڈ ایک مجسٹریٹ کی سربراہی میں ہوئی جس میں آتمارام نے اس شخص کو پہچان لیا جس کے ہاتھ اس نے وہ چاقو بیچا تھا جو راجپال کو دکان سے ملا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آتمارام نے ایک ہی نمونے کے بہت سے چاقو بنائے ہوں۔ لہٰذا اس کو دو چاقو دیئے گئے جس میں ایک اس نے پہچان لیا۔ اس نے اپنے بیان میں مزید بتایا کہ اس نے یہ چاقو ایک میڈیکل سٹور سے نیلامی میں خریدے تھے۔

مسٹر جناحؒ نے مدعی کی بتائی ہوئی کہانی پر بحث کرتے ہوئے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ کیدار ناتھ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر قابلِ بھروسہ گواہ نہیں ہے۔ کیونکہ۔

(۱) وہ مقتول کا ملازم تھا اس لئے اس کا اس میں مفاد ہے۔

(۲) اس نے ایف آئی آر میں یہ نہیں بیان کیا (ا) کہ بھگت رام اس کے ساتھ تھا اور (ب) یہ کہ اپیل کنندہ نے یہ کہا تھا کہ اس نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے جہاں تک بھگت رام کا تعلق ہے وہ بھی مقتول کا ملازم تھا اور اس کا مفاد تھا اور جہاں تک دوسروں کی شہادت کا تعلق ہے وہ تفصیل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔

پولیس کی اس شہادت پر اعتراض کیا گیا جو اس نے آتمارام کے پتہ چلانے میں دی اور آتمارام نے چاقو اور علم الدین کی شناخت کے بارے میں جو گواہی دی ہے وہ بھی درست نہیں ہے اور قابلِ بھروسہ بھی نہیں ہے۔

جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے جو پولیس نے اپیل کنندہ سے آتمارام کا پتہ معلوم کرنے کے بارے میں لیا ہے وہ میں سمجھتا ہوں کہ غیر ضروری ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ کہ آتمارام کی دکان پر مختلف نمونہ جات کے چاقو تھے اور اس کا وہ چاقو پہچانا جس سے مقتول پر حملہ کیا گیا۔ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی یہ کہانی کہ اپیل کنندہ ۶ اپریل کی صبح کو اس کی دکان پر آیا چاقو خریدنے پر سودا بازی کی اور پھر ایک روپیہ میں خریدنے پر رضامند ہو گیا اور پھر گواہ سے یہ کہا کہ اس کی ایک طرف دھار لگا دو اور تب تک میں رقم لیکر آتا ہوں۔ علم الدین ایک گھنٹے کے بعد آیا ایک روپیہ ادا کیا اور چاقو لے لیا۔ ان حالات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ گواہ نے خریدار اور چاقو دونوں کی شناخت کر لی ہو۔ شناخت پریڈ ۹ اپریل کو شام ۵ بجے پولیس لائن میں مجسٹریٹ درجہ اول (گواہ نمبر ۱۲) کی سربراہی میں کرائی گئی جس نے شناخت پریڈ کو درست قرار دیا۔

درخواست گزار نے جواہر لال انسپکٹر (گواہ نمبر ۲۰) کے بارے میں عدالت میں بیان دیا تھا کہ مذکورہ انسپکٹر نے شناخت پریڈ سے پہلے آتمارام کو مجھے (علم الدین) کو دیکھایا تھا۔ کیا یہ اہم نہیں ہے کہ اس بارے میں انسپکٹر جواہر لال سے کوئی سوال نہیں کیا گیا اور مجسٹریٹ کا یہ کہنا کہ علم الدین نے اسے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ درست نہیں ہے۔

دریں حالات میرے خیال میں آتمارام کا بیان کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں کوئی صداقت اور سچائی نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ کیدار ناتھ کا بیان مختصر ہے اور اس میں تفصیل کی کمی ہے۔ اس کا بھگت رام کے نام کا ذکر نہ کرنا جو وہاں موجود تھا اس کا تعاقب کرنا اور پھر پکڑا جانا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اس کا یہ ذکر نہ کرنا کہ میں نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے میٹریل ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں بہت سی شہادتیں دی جا سکتی ہیں کیونکہ ان الفاظ کا اضافہ اس وقت کیا گیا جب مقدمہ شروع ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے اس پوائنٹ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ودیا رتن (گواہ نمبر ۶) کے بیان کے حوالہ کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ صرف مثال کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ شہادت اپنا یقیناً کوئی مفاد نہیں رکھتی (ماسوائے اس کے کہ یہ ہندو ہے) اس نے اپیل کنندہ کو پکڑنے میں مدد دی۔ اس کو چیلنج نہیں کیا گیا۔ وہ کہتا ہے جب اپیل کنندہ کو اُس نے پکڑ لیا تو اس نے کہا "مجھے جانے دو میں نے کچھ نہیں کیا، میں نے رسولؐ کا بدلہ لے لیا ہے"

جبکہ جرح کے دوران وہ کہتا ہے کہ مجھے صحیح الفاظ یاد نہیں جو کہ ملزم نے استعمال کئے تھے لیکن جو کچھ بھی میں نے کہا ہے وہ اپنے حافظہ کے بل پر کہا ہے۔ اس نے کہا ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بیان پولیس کی جرح کرنے کے بعد دیا (جس کی ایک کاپی ملزم کے وکیل کو دی گئی) اور سیشن جج کے ایک نوٹ

سے بھی پتہ چلتا ہے کہ درخواست گزار نے کے بارے میں یہ بیان درست نہیں ہے۔

تمام شہادتیں اور واقعات اس امر کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ راجپال کو "رنگیلا رسول" کتاب لکھنے پر قتل کیا گیا۔ درخواست گزار اس کیلئے بالکل اجنبی تھا۔ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ میں اس لئے شہادت کے اس بیان کو درست تسلیم کرتا ہوں۔

پھر کیدار ناتھ اور بھگت رام کی بتائی ہوئی کہانی میں مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی ہے۔ انھوں نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ انھوں نے حملہ آور کو راجپال کی دکان سے لکڑی کے ٹال تک تعاقب کیا ہے اور وہ ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ اس بیان کی تصدیق نانک چند پرما چند نے کی ہے جبکہ وزیر چند (گواہ نمبر ۷) نے بیان دیا ہے کہ اس نے ماسوائے علم الدین کے اور اس کے تعاقب کرنے والوں کے علاوہ نہیں دیکھا اس لئے مقتول کے قاتل کو پہچاننے پر شک کیا جاسکتا ہے۔ درخواست گزار کے کپڑوں پر پائے جانے والے خون کے نشانات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے لہٰذا مجھے اس میں کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ محترم سیشن جج یہ فرض کرلیں کہ یہ نشانات مقتول کے خون کے ہیں۔ میڈیکل رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راجپال نے اپنے بچاؤ کی کوشش کی جس کی وجہ سے اسے چند ضربات بھی پہنچیں لیکن اپیل کنندہ کے خلاف دی ہوئی شہادت اس کے بالکل خلاف جاتی ہے اور نہ ہی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ چاقو کی نوک کہاں اور کیسے ٹوٹی تھی۔ چاقو کی ٹوٹی ہوئی نوک اور اس کا نہ ملنا بھی ناقابل یقین ہے۔

مجھے عزت مآب سیشن جج کی اس رائے سے اتفاق کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مجرم پر جرم ٹھونس دیا گیا ہے۔

آخر میں مسٹر جناح نے سزائے موت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سزا اس لئے عائد نہیں ہوتی کہ مجرم کی عمر انیس اور بیس سال کے قریب ہے اور پھر یہ بھی کہ اس نے یہ جرم اس لئے کیا ہے کہ اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی جس سے غصہ میں آکر اس نے راجپال پر حملہ کیا۔

جیسا کہ مقدمہ امیر بنام کراؤن نمبر ۹۵۴ سال ۱۹۲۶ء میں محض یہ کہنا کہ قاتل کی عمر ۲۰/۱۹ سال ہے یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ قانون اس کو مناسب سزا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم الدین کی عمر ۲۰/۱۹ سال نہیں ہے اس لئے یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے۔ میرے نزدیک مسٹر جناح کی یہ کوئی مناسب اور معقول وجوہات نہیں ہیں کہ ایک ایسا شخص جس نے قصداً اس قسم کا گھناؤنا قتل کیا ہو اس لئے میں اپیل کو خارج کرتا ہوں اور سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں۔

ہائیکورٹ لاہور

ریفرنس سائیڈ۔ مقدمہ نمبر ۱۰۵ سال ۱۹۲۹ء
حوالہ مقدمہ جے۔کے۔ ایم ٹیپ صاحب سیشن جج لاہور
چٹھی حوالہ نمبر ۸۶۵ مورخہ ۲۹۔ ۶۔ ۴ دفعہ ۳۷۴ ایکٹ پنجم ۱۸۹۸ء کے تحت۔ دی کنگ ایمپرر
بنام علم الدین ولد طالع مند عمر ۱۸ سال ترکھان آف لاہور
جرم۔ قتل دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند

سیشن جج کی عدالت بمقام لاہور برائے ضلع لاہور ہائی جے۔کے۔ ایم ٹیپ سیشن جج آف لاہور مورخہ ۱۴، ۱۵، ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو ساعت چار اسیسر کی مدد سے کی گئی، کہ علم الدین ولد طالع مُند پر جرم قتل زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند راجپال کو قتل کرنے پر مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے دیگر چار اسیسر سے اتفاق کیا کہ قیدی پر قتل ثابت ہوتا ہے اور اس کو مورخہ ۲۹۔ ۵۔ ۲۲ کو سزائے موت کا حکم دیا۔ ہائیکورٹ نے بھی سزائے موت کو بحال رکھا۔

آڈر آف دی ہائیکورٹ
سزائے موت کی توثیق کی جاتی ہے۔

D. Johnstone

۱۷۔۷۔۱۹۲۹ء

ازای ایل روبن صاحب

ڈپٹی رجسٹرار آف دی ہائیکورٹ نظام عدالت لاہور

ٹو دی سیشن جج لاہور مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء لاہور

فوجداری اپیلیٹ

مقدمہ نمبر ۵۶۲ آف ۱۹۲۹ء

علم الدین ولد طالع مند۔ مجرم

بنام

دی کراؤن..........رسپانڈنٹ

جُرم۔ دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کے تحت

جناب!

بحوالہ آپ کی چٹھی نمبر ۸۶۵ مورخہ ۲۹۔ ۶۔ ۴ میں ہدایت جاری کرتا ہوں کہ سزائے موت جس قیدی کا نام اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی توثیق عدالت کرتی ہے۔

۲۔ سزائے موت کے حکم نامہ کی توثیق منسلک ہے۔

۳۔ فیصلہ کی تین کاپیاں جلد ارسال کی جائیں گی۔

۴۔ متعلقہ جیل سپرنٹنڈنٹ کو کہا گیا ہے کہ وہ قیدی کو سزائے موت کے حکم سے آگاہ کرے۔

۵۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کا ریکارڈ واپس کیا جاتا ہے

دستخط ڈپٹی رجسٹرار

۱۹۔ ۷۔ ۱۹۲۹ء

بعدالت بکنگھم پیلس

۵ نومبر ۱۹۲۹ء

سب سے زیادہ قابلِ احترام بادشاہت

وزیر اعظم............لارڈ چیمبرلین

لارڈ صدر............لارڈ ساؤتھ بروگ

آنریبل سر فرانس لینڈلے

آج بتاریخ ۱۵ اکتوبر کو پریوی کونسل کمیٹی جوڈیشنل کے روبرو رپورٹ ان الفاظ میں سماعت ہوئی شاہ ایڈورڈ ہفتم (مرحوم) کے حکم نامہ جاری شدہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۹ء کے تحت علم الدین کی "رحم کی اپیل" کی سماعت کی۔ اس کو سزائے موت لاہور ہائیکورٹ نے ۷ جولائی ۱۹۲۹ء کو سنائی تھی۔ ہائیکورٹ نے سیشن جج لاہور کی سزائے موت کو بحال رکھا۔

اس لئے کمیٹی آف لارڈ اس مقدمہ کی سماعت کیلئے ہز میجسٹی کی جانب رجوع کرتی ہے کہ وہ اس اپیل کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرے۔

ہز میجسٹی نے اس رپورٹ پر غور کیا ہے اور وہ پریوی کونسل کو حکم جاری کرتی ہے کہ سزائے موت کے حکم پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا اس حکم نامے کی اطلاع لاہور ہائیکورٹ اور دیگر متعلقہ افراد کو بھی دی جائے۔

دستخط

ایم۔ بی۔ اے ھینکی